اردو فینز کے ممبران کی
اشتیاق احمد
گھر دری آواز
محمود' فاروق' فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
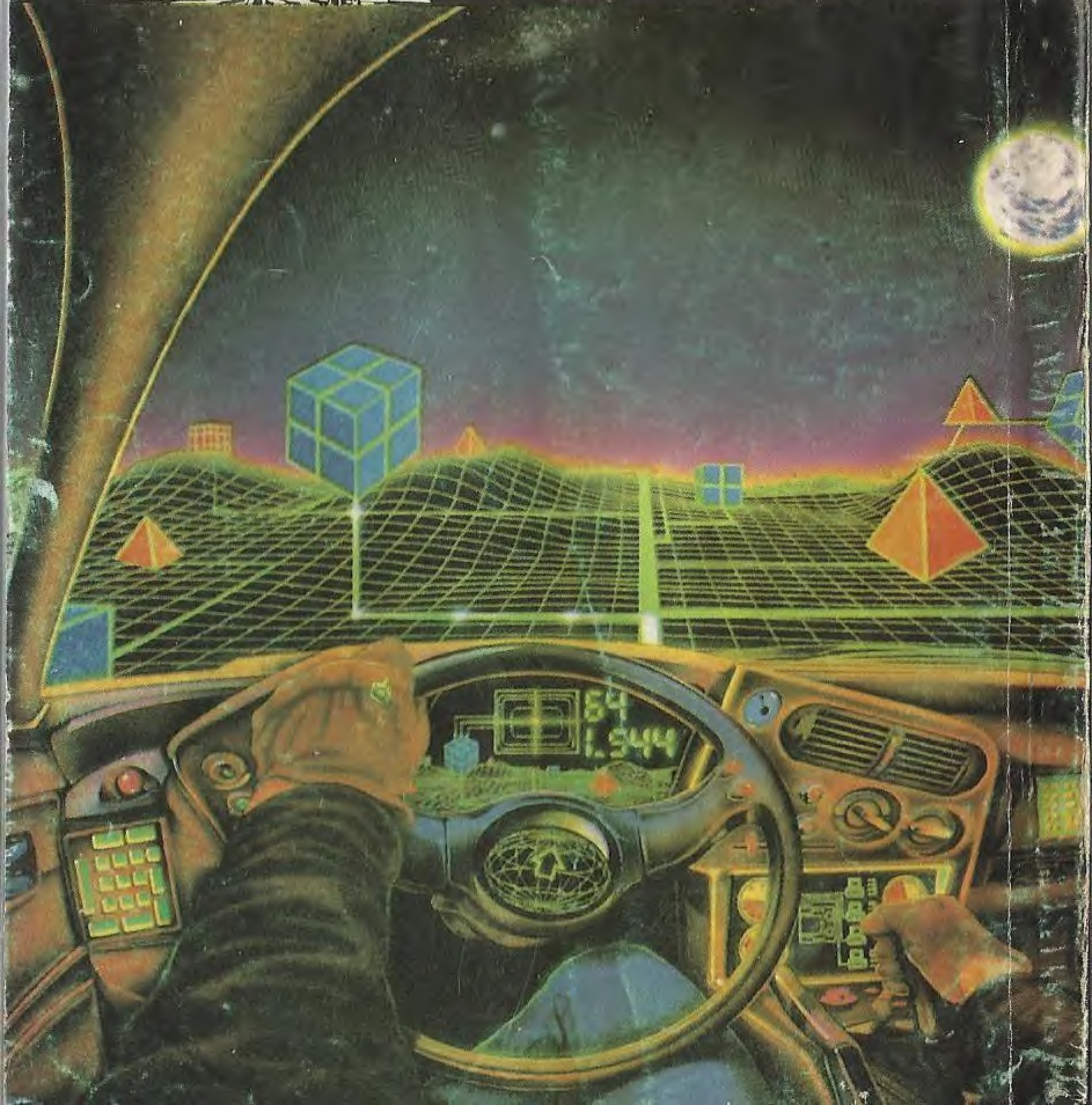
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۴۴

کھردری آواز

اشتیاق احمد

○

نام ناول ـــــ کھردری آواز

بار اوّل ـــــ یکم مئی ۱۹۸۵ء

طابع ـــــ اشتیاق احمد

کتابت ـــــ محمد سعید نامدار

سرورق ـــــ محمد جاوید چغتائی لاہور

مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

طباعت سرورق ـــــ پریم پرنٹرز لاہور

قیمت ـــــ چھے روپے

سالانہ چندہ ـــــ اڑھائی سو روپے

اشتیاق پبلی کیشنز ○ راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

حدیث شریف

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خلافت تیس سال تک رہے گی، پھر یہ خلافت بادشاہت ہو جائے گی —

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان کرکے کہتے ہیں کہ حساب کرکے دیکھ لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دو سال، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دس سال، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چھے سال —

(ترمذی، ابوداؤد، احمد)

دو باتیں

السلام علیکم —

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں آدمی زبان پر نہیں لا سکتا۔ بس دل میں محسوس کر کے رہ جاتا ہے — دانت پیستا رہ جاتا ہے یا خون کے گھونٹ بھر کر۔ بہرحال رہ ضرور جاتا ہے — کچھ جو زیادہ حساس ہوتے ہیں، رہ بھی نہیں جاتے، ہمارے مُلک میں بھی اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، جی چاہتا ہے انھیں زبان پر لایا جائے، سب کو سُنایا جائے — لیکن پھر وہی بات کہ — خیر جانے دیں — آپ بھی کہیں گے، اب میں دو باتیں میں بھی سسپنس بکھیرنے کی کوشش کرنے لگا ہوں — میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں، ہاں خود بخود کوئی چیز بکھر جائے تو بندہ کر بھی کیا سکتا ہے — جیسے کسی کے حسین خواب بکھر کر رہ جاتے ہیں اور وہ کچھ نہیں کر سکتا — اب آپ یہ کہہ اُٹھیں گے کہ اس بار واقعی میں اوٹ پٹانگ دو باتیں لکھنے کی ٹھانے بیٹھا ہوں — میرا ایسا بھی کوئی ارادہ نہیں — ہاں معمول کے مُطابق یہ خُود بخود اوٹ پٹانگ رُخ اختیار کر لیں تو آپ ہی بتائیں — میں ان کا رُخ کس طرح موڑوں — رُخ اس چیز کا موڑا جاتا ہے جس کی کوئی کل سیدھی ہو — یہاں تو اونٹ کی طرح کوئی کل سیدھی ہے ہی نہیں — میرا حال بھی ان دنوں کچھ مختلف نہیں — اب آپ نے مُسکرانا شروع کر دیا ہوگا — لہٰذا اجازت —

جاسوسیت کی بُو

فاروق نے اچانک اُٹھتے ہوئے کہا:

"میں ذرا انکل خان رحمان کے ہاں جا رہا ہوں۔"

"یہ اچانک تمھیں انکل خان رحمان کے ہاں جانے کی کیا سوجھ گئی؟"

فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"بس جو سوجھ گئی، سوجھ گئی، تم نے اعتراض کرنے کا ٹھیکا تو نہیں لے رکھا۔" فاروق بھنا اُٹھا۔

"غلط — فرزانہ نے ٹھیکا صرف ترکیبیں بتانے کا لے رکھا ہے۔" محمود مُسکرایا —

"تو میں چلا۔" اس نے باورچی خانے کا رُخ کرتے ہوئے کہا —

"آخر بات کیا ہے، ابھی ابھی تو تم اطمینان سے بیٹھے ہم سے باتیں کر رہے تھے۔"

"میں نے کہا نا — سوجھ گئی۔" وہ مسکرایا۔

"چلو خیر — یہ تو ہوا، لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"کیا کس طرح ہو سکتا ہے، لیکن ٹھہرو، پہلے میں امّی جان سے اجازت لے آؤں، پھر تم سے سنتا ہوں کہ کیا، کس طرح ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باورچی خانے کے دروازے تک جا پہنچا:

"امّی جان! آپ سن ہی چکی ہوں گی، لہٰذا اجازت دیجیے۔"

"کیا سن چکی ہوں گی — میں اپنے خیالات میں گم تھی۔" وہ چونکیں۔

"میں ذرا انکل خان رحمان کے گھر جا رہا ہوں۔"

"خیریت — اور اکیلے کیوں جا رہے ہو۔"

"جی بس — یونہی۔"

"اچھی بات ہے — ضرور جاؤ۔" انھوں نے کہا اور پھر چولہے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

فاروق ان کی طرف پلٹا — دونوں اسی کو گھور رہے تھے:

"ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

"یہ کہ تم ہم دونوں کے بغیر کس طرح جا سکتے ہو۔"

"کیوں جانے کو کیا ہے، جا کیوں نہیں سکتا، میرے پاؤں میں مہندی تھوڑا ہی لگی ہوئی ہے — اور پھر مجھے موٹر سائیکل بھی چلانا

آتا ہے، میں ٹیکسی کے ذریعے بھی جا سکتا ہوں، یہ تم نے کیا کہا کہ میں تنہا کس طرح جا سکتا ہوں۔" فاروق نے رکے بغیر جلدی جلدی کہا۔

"توبہ ہے تم سے — بھئی میرا مطلب یہ تھا، اگر انکل کے ہاں جانے کا موڈ بن گیا ہے تو اکیلے جانے کی کیا ضرورت ہے، ہم بھی تمھارے ساتھ چلے چلتے ہیں۔"

"ضرور — مجھے کوئی اعتراض نہیں — میں نے تم دونوں سے خود اس لیے نہیں کہا تھا کہ اس صورت میں تم طرح طرح کے سوالات کرتے، باتیں بناتے، ناک بھوں چڑھاتے اور ان سب کے بعد کہیں جانے کے لیے تیار ہوتے، لہٰذا میں نے نفسیاتی حملہ کیا — تم سے ساتھ چلنے کے لیے کہا ہی نہیں، نتیجہ یہ کہ تم دونوں خود ہی بے چین ہو گئے۔" اس نے شریر انداز میں کہا۔

"بہت خوب — تو تم اب نفسیاتی حملے کرنے لگے ہو — خیر جوابی نفسیاتی حملے سے بچ کر رہنا۔" فرزانہ منہ بنا کر بولی۔

"بھلا اس میں بھی کوئی جلنے بھننے کی ضرورت ہے۔"

"جلنے بھننے کا کیا ہے، کسی بھی معاملے میں جلا بھنا جا سکتا ہے، کچھ خرچ تو ہوتا نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"تب پھر تم بھی شوق شروع کر دو جلنے بھننے کا۔" فاروق جل کر بولا —

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے تم تینوں جلنے بھُننے کا مقابلہ شروع کرنے والے ہو۔" باورچی خانے سے بیگم جمشید قدرے بلند آواز میں بولیں۔

"اوہو امّی جان۔ آپ نے بھی سُن لیں ہماری یہ باتیں، آپ تو خیالات میں گم تھیں۔" فاروق بول اُٹھا۔

"پہلے گم تھی۔ اب مل گئی ہوں۔" انھوں نے جواب دیا۔

"تو پھر ہم تینوں جا سکتے ہیں نا امّی جان۔"

"ضرور۔ میں تو پہلے ہی حیران تھی کہ صرف فاروق کیسے جا رہا ہے۔"

"جی ہاں! اس پر تو ہم دونوں بھی حیران تھے۔" محمود مُسکرایا۔

"اس سے پہلے کہ ابّا جان آ جائیں اور وہ بھی حیران ہونا شروع کر دیں۔ ہمیں چل دینا چاہیے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

تینوں جلدی سے باہر نکلے۔ بیگم جمشید نے اُٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا، تینوں موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر خان رحمان کے دروازے پر پہنچے۔ محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا، آدھ منٹ بعد دروازہ کھلا اور ظہور کی مُسکراتی صورت دکھائی دی:

"مُبارک ہو انکل ظہور۔"

"جج جی۔ کک۔ کیسی مُبارک۔"

"اس بات کی کہ آج تم نے کان نہیں پکڑ رکھے، ورنہ تم دروازہ

کھولنے کے لیے کس طرح آ سکتے تھے۔"

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے، خیر آپ کو بھی مُبارک ہو۔ ویسے تو خان صاحب کان پکڑنے کے دوران بھی مجھے دروازہ کھولنے کا حُکم دے دیا کرتے ہیں، ایسے میں وہ کہا کرتے ہیں۔ جاؤ دروازہ کھول آؤ اور واپس آتے ہی پھر کان پکڑ لینا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ہوں! بات ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ آج نہ تو کوئی ہنڈیا جلی ہے اور نہ کوئی سوٹ۔"

"جی نہیں۔ یہ بات نہیں۔ آج ہانڈی بھی جل گئی تھی اور اس کے چکر میں ایک کوٹ بھی، لیکن اس کے باوجود آج میں نے کان نہیں پکڑے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے ارے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، انکل نے آپ کو معاف کس طرح کر دیا۔"

"انھوں نے معاف نہیں کیا۔" ظہور نے کہا۔

"کیا کہا۔ معاف نہیں کیا، کان بھی نہیں پکڑوائے۔ بھئی بات کچھ پلّے نہیں پڑی، آخر یہ کس طرح ممکن ہے۔" محمود جلدی جلدی بولا۔ ان کی حیرت بڑھ گئی تھی۔

"یہ عین ممکن ہے محمود صاحب۔ خان صاحب تو آج صبح سے گھر میں نہیں ہیں۔"

"اوہ — ارے۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

○

چند سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد فرزانہ نے کہا:

"انکل کہاں گئے ہیں؟"

"جی پتا نہیں — بتا کر نہیں گئے۔"

"اکیلے گئے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی گیا ہے۔"

"جی اکیلے — باقی سب لوگ گھر میں ہیں۔" اس نے بتایا۔

"آخر وہ کتنے بجے گئے — کہاں گئے — جاتے وقت کچھ تو بتایا ہوگا۔"

"جی نہیں — کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں۔" ظہور نے کہا۔

"یہ — یہ کیا بات ہوئی۔" محمود ان دونوں کی طرف مڑا۔

"ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ یہ کیا بات ہوئی۔"

"آؤ — اندر چل کر آنٹی اور حامد وغیرہ سے پوچھیں۔"

وہ اندر داخل ہوئے، سب لوگ ڈرائنگ روم میں تھے — انھیں دیکھ کر اُچھل پڑے:

"بھئی واہ — اچھے موقعے پر آئے — ہم کچھ اُداسی محسوس کر رہے تھے۔"

"سوال یہ ہے کہ انکل کہاں ہیں؟"

"ان کا کوئی پتا نہیں — امی جان نے بتایا ہے کہ صبح منہ اندھیرے اُٹھ کر کہیں چلے گئے۔"

"لیکن کہاں — کیا آپ نے پوچھا نہیں تھا آنٹی۔"

"نہیں — بستر سے اُٹھ کر جب وہ باہر نکلے تو میں نے یہ خیال کیا کہ کسی ضرورت کے تحت نکلے ہوں گے — پندرہ منٹ تک وہ نہ لوٹے تو میں نے باہر نکل کر دیکھا، لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھے — اور گیراج میں کار بھی نہیں تھی — لباس تبدیل کرنے والے کمرے میں ان کے رات کے کپڑے بھی پڑے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ اپنے کمرے سے نکل کر وہ لباس والے کمرے میں آئے تھے، انھوں نے کپڑے تبدیل کیے، پھر گیراج میں گئے اور کار میں بیٹھ کر کہیں چلے گئے۔"

"اور اب شام کے پانچ بجنے والے ہیں — آپ نے کسی سے ذکر تک نہیں کیا — ہمیں فون کیا نہ ابا جان کو۔"

"اس لیے کہ وہ کوئی چھوٹے سے بچے تو ہیں نہیں — جہاں بھی گئے ہیں، اپنی مرضی سے گئے ہیں — اطمینان اور سکون کی حالت میں گئے ہیں، پھر بھلا میں کس طرح آپ لوگوں سے ذکر کر سکتی تھی، نان صاحب واپس آکر میرا مذاق اُڑاتے — اس لیے میں خاموش رہی — ہاں میں ایسا اس وقت ضرور کرتی، اگر وہ رات تک نہ آتے۔"

وہ کہتی چلی گئیں۔

"ہوں۔ پہلے تو ہم لباس والا کمرہ دیکھیں گے اور پھر گیراج۔"

"کیوں۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہم اس معاملے میں جاسوسیت کی بُو محسوس کر رہے ہیں۔"

"بھئی۔ گھر میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔" بیگم خان رحمان بولیں۔

"سُنیے آنٹی۔ انکل کسی ضرورت کے تحت اپنے کمرے سے نکلے، لیکن کمرے کے باہر کوئی شخص کھڑا تھا۔ جو کسی طرح مکان کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے پستول ان کی طرف تان دیا اور سرگوشی میں کہا۔ لباس تبدیل کرنے والے کمرے میں چلو۔ انکل کو اس کا حکم ماننا پڑا، لباس والے کمرے میں اس نے ان سے لباس تبدیل کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے کپڑے پہن لیے۔ اب اس نے ان سے گیراج میں چلنے کے لیے کہا۔ پھر کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور خود وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ان حالات میں بھلا گھر میں کسی گڑبڑ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔" محمود نے روانی کے عالم میں کہا۔

"یہ۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو محمود۔ کیا خان رحمان کو اغوا کیا

گیا ہے۔"

"میرا خیال یہی ہے۔ جو بالکل غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ خیر پہلے ہمیں پورے گھر کا جائزہ لینے دیں، اس کے بعد ہی ہم یقین سے کچھ کہہ سکیں گے۔"

اب ان کے چہروں پر پریشانی کے بادل منڈلانے لگے۔ سلمیٰ بھی وہیں آ گئی۔ وہ لباس والے کمرے کی طرف بڑھے، لیکن سلمیٰ نے فرش صاف کر دیا تھا۔ قدموں کے نشانات نہ مل سکے۔ کمرے میں کسی قسم کی گڑبڑ نہیں تھی۔

"گیراج کو بھی صاف کر دیا گیا ہے کیا؟"

"نہیں۔ گیراج کی صفائی دوسرے دن کی جاتی ہے۔ آج اس کی صفائی کی باری نہیں تھی۔" سلمیٰ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔ آؤ بھئی۔" محمود بولا۔

تینوں تیزی سے گیراج کی طرف بڑھے۔ اور اندرونی دروازے پر ہی رُک کر فرش کا جائزہ لینے لگے، پھر احتیاط سے اندر داخل ہوئے۔ اور بغور جائزہ لیا۔

"وہ مارا۔ یہاں دو آدمیوں کے جوتوں کے نشانات موجود ہیں۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ انکل کو اغوا کیا گیا ہے۔" محمود نے گویا اعلان کیا۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے، پھر بیگم خان رحمان بولیں:

"لیکن میں اب بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتی ، کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے — وہ ان کا کوئی دوست رہا ہو اور عین اس وقت کسی ضرورت کی وجہ سے آیا ہو ، جب وہ کمرے سے نکلے تھے — اور انھیں اس کے ساتھ جانا پڑ گیا ہو۔"

"تو کیا آپ نے اس وقت دروازے کی گھنٹی سُنی تھی —" فرزانہ نے سوال کیا۔

"دروازے کی گھنٹی —" بیگم خان رحمان بڑ بڑائیں ، پھر انکار میں بولیں :

"جہاں تک میرا خیال ہے — میں نے گھنٹی کی آواز نہیں سُنی تھی۔"

"اب ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ شخص اندر کس طرح داخل ہوا تھا — ہم جانتے ہیں کہ تمام کھڑکیوں میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں ، اندر داخل ہونے کے لیے صرف ایک دروازہ موجود ہے ، دروازے اور بھی ہیں ، لیکن وہ مستقل طور پر اندر سے بند رہتے ہیں — مطلب یہ کہ وہ شخص یا تو صدر دروازے سے اندر آ سکتا تھا ، یا پھر چھت کے راستے — صدر دروازہ بند تھا — کیوں ظہور انکل — دروازہ بند کیا گیا تھا نا رات —"

"جی بالکل — بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ دروازہ بند نہ کیا جائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے — تو صدر دروازہ رات بند تھا — اب صرف اور صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ چھت کے راستے اندر داخل ہوا تھا — آؤ بھئی چھت کا جائزہ لے لیں۔" محمود بے تابانہ لہجے میں بولا —

تینوں دوڑتے ہوئے اوپر آئے ، اب ان پر بھی گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی — چھت پر اس شخص کے جوتوں کے نشانات واضح طور پر موجود تھے — لوہے کا ایک پائپ چھت سے نیچے تک جاتا نظر آیا —

"اس پائپ کے ذریعے وہ چھت تک آیا ، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا زینہ اندر سے بند نہیں تھا —" یہ کہہ کر فرزانہ نے ظہور کی طرف دیکھا —

"مم — میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ظہور ہکلایا۔

"ہوں خیر — اگر زینہ اندر سے بند تھا تو وہ کسی رسی کے ذریعے صحن میں اُتر سکتا تھا — اور اگر زینہ کھلا تھا تو اس کے لیے اور بھی آسانی تھی — بہر حال وہ نیچے اُتر گیا — ہو سکتا ہے ، اس نے آہستہ انداز میں دستک دی ہو اور اس دستک کو صرف انکل سُن سکے ہوں — کیوں آنٹی — آپ کی نیند گہری ہے یا انکل کی —"

"میری — ایک فوجی کی نیند گہری ہو ہی نہیں سکتی۔" انھوں نے

کہا —

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے — تو انھوں نے اس کی دستک کی آواز سُنی اور دروازہ کھول دیا — انھوں نے اپنی طرف پستول اُٹھا ہوا دیکھا — اور اس شخص کی ہدایات پر عمل کرنے پر تیار ہو گئے — آنٹی آپ نے غلطی کی، آپ کو تو صبح سویرے ہی ہمیں فون کر دینا چاہیے تھا — آئیے — سب سے پہلے ابا جان کو فون کرنا ہوگا۔"

وُہ نیچے آئے — محمود نے فون کا ریسیور اٹھایا اور دفتر کے نمبر ڈائل کیے:

"ہیلو ابا جان — محمود بول رہا ہوں۔"

"السلامُ علیکم محمود — انسپکٹر صاحب تو گھر جا چکے ہیں — کیا آپ گھر سے بول رہے ہیں۔" ادھر سے اکرام کی آواز سُنائی دی۔

"نہیں انکل — میں انکل خان رحمان کے گھر سے بول رہا ہوں — شاید آپ کو بھی پھر فون کرنا پڑے۔"

"خیر تو ہے۔" اکرام جلدی سے بولا۔

"انکل خان رحمان غائب ہیں — اور ہمارا خیال ہے، انھیں اغوا کیا گیا ہے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ہمارا اندازہ یہی ہے — اور یہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے سلسلہ کاٹ دیا اور گھر کے نمبر ڈائل کیے — سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا:

"السلامُ علیکم ابا جان!"

"بھئی یہ تمھیں بیٹھے بٹھائے خان رحمان کے ہاں جانے کی کیا سوجھی۔" ان کی آواز سُنائی دی۔

"اچھا ہی ہوا ابا جان — سوجھ گئی — ورنہ مشکل ہو جاتی۔"

"بات کیا ہے بھئی — بہت سنجیدہ انداز میں بات کر رہے ہو۔"

"ج — جی ہاں! انکل خان رحمان غائب ہیں — ہمارا اندازہ ہے کہ انھیں اغوا کیا گیا ہے۔"

"اوہ! میں آ رہا ہوں محمود۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے ریسیور رکھ دیا —

"ابا جان آ رہے ہیں، اب ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" محمود نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے — انکل کو اچانک کہیں جانا پڑ گیا ہو، انھوں نے کسی کو کچھ نہ بتایا اور چلے گئے۔" فارُوق نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ ان کی عادت کے بالکل خلاف بات ہے — اِطلاع دیے بغیر وُہ کبھی نہیں جاتے، انھیں معلوم ہے، اس طرح ہم کس قدر پریشان ہو جاتے ہیں۔" حامد بولا۔

"فارُوق — تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا — چھت پر مُجرم کے

جوتوں کے نشانات موجود ہیں، گیراج میں بھی موجود ہیں، پھر بھلا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ انھیں اچانک کہیں جانا پڑ گیا ہو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اس طرح کہ ان کے جانے کے بعد کوئی چور چھت کے راستے اندر داخل ہوا اور پھر گیراج میں بھی آیا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"تب پھر گھر میں چوری کے نشانات بھی ملنے چاہییں۔" محمود فوراً بولا۔

"اور ہم نے ابھی تک تجوری کی طرف توجہ ہی کب دی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ یہ کام بھی کیے لیتے ہیں۔"

وہ خان رحمان کے کمرے میں آئے، تجوری بند تھی، بیگم خان رحمان نے ایک الماری سے تجوری کی چابی نکال کر تجوری کو کھولا۔ اور اندر کا جائزہ لیا، پھر بولیں:

"اس میں تو کوئی چیز کم نہیں ہے۔"

"ہوں، گویا یہ کسی چوری کا معاملہ نہیں، صرف اور صرف اغوا کا معاملہ ہے۔"

محمود نے الفاظ درمیان میں رہ گئے، اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی، اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا:

"ہیلو۔ کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کھردری

آواز میں کہا گیا۔

"پہلے تم بتاؤ۔ تم کون ہو؟" محمود نے منہ بنایا۔

"میں ایم ہارڈنگ ہوں۔"

"بہت خوشی ہوئی کہ آپ ایم ہارڈنگ ہیں، میں محمود بول رہا ہوں، فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شاید میں نے غلط نمبر ڈائل کیے، کیا یہ خان رحمان کا گھر نہیں ہے۔"

"بالکل انھی کا گھر ہے۔ تو پھر۔"

"پھر یہ کہ خان رحمان بطور امانت میرے پاس موجود ہیں۔"

"کیا کہا۔" محمود چیخ پڑا۔

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

تعاقب ہو رہا ہے

"کیا ہوا محمود — خیر تو ہے۔" بیگم خان رحمان بولیں۔

"ایم ہارڈنگ نامی کسی شخص نے فون کیا تھا — اس نے اطلاع دی ہے کہ انکل اس کے پاس ہیں اور وہ بھی بطور امانت ۔"

"کیا !!" وہ سب چلا اٹھے ، پھر فرزانہ بولی :

"گویا اس نے انکل کو اغوا کیا ہے اور اب ان کی واپسی کے سلسلے میں کوئی بڑا مطالبہ کرے گا۔"

"ہمیں اس کے مطالبے کی کوئی پروا نہیں — ہمارے بس میں جو کچھ ہوا ، پورا کریں گے۔" ناز گھبرا کر بولی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — ایم ہارڈنگ بے چارے کو معلوم نہیں کہ اس نے بھول کر کس شخص کو اغوا کر لیا ہے اور ان کے دوست کون لوگ ہیں — غالباً یہ کوئی پیشہ ور شخص ہے — اس کا کام ہی یہی ہے کہ کسی کو اغوا کر لیا اور اس کے گھرانے

سے لمبی چوڑی رقم کا مطالبہ داغ مارا — ایسے لوگوں کے مطالبات عام طور پر فوراً مان لیے جاتے ہیں ، کیونکہ گھر والوں کی تو جان پر بنی ہوتی ہے ، لیکن اس بار اس شخص نے اپنی شامت کو آواز دی ہے اور ۔"

محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تھی ، وہ سب ایک ساتھ دروازے کی طرف جھپٹے — دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر جمشید نظر آئے — ان کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی :

"گھبرانے کی ضرورت نہیں — سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ابھی ابھی ایم ہارڈنگ نامی آدمی کا فون موصول ہوا ہے ابا جان ، اس کا کہنا ہے کہ انکل خان رحمان اس کے پاس ہیں۔"

"ہوں تو ! ابھی اس نے صرف اطلاع دی ہے ، کوئی مطالبہ نہیں کیا۔" وہ بولے۔

"جی ہاں ! بالکل یہی بات ہے۔"

اندر آتے ہی انھوں نے پہلے اکرام کے نمبر ڈائل کیے :

"ہیلو اکرام ! خان رحمان کے گھر سے بول رہا ہوں ، انھیں اغوا کر لیا گیا ہے — کسی ایم ہارڈنگ کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔"

"ایم ہارڈنگ — مجھے چند منٹ کی مہلت دیجیے سر۔"

"اچھا ٹھیک ہے — پندرہ منٹ بعد مجھے فون کرو ۔" یہ کہہ

کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور خان رحمان کے بچّوں کی طرف مُڑے :

" ان دنوں کوئی شخص مُلاقات کے لیے تو نہیں آیا "

" جی نہیں — اس ہفتے کے دوران تو کوئی نہیں آیا "

" کوئی اور شخص — جس کو مکان اندر سے دیکھنے کا موقع ملا ہو "

" اوہ جی ہاں — بجلی کی ایک کمپنی کا آدمی نئی وائرنگ کے سلسلے میں آیا تو تھا " حامد نے چونک کر کہا۔

" کیا وُہ خود آیا تھا ؟ "

" جی نہیں ! ابّا جان نے ہی بُلایا تھا ، کیونکہ وائرنگ بہت پرانی ہو گئی ہے — یہ ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے — وہ آیا تھا ، اسے ایک ایک کمرہ اور باقی تمام حِصّہ دکھانا پڑا تھا — وہ پندرہ دن بعد کی تاریخ دے کر چلا گیا تھا ، گویا وہ کام کرنے کے لیے اگلے ہفتے آئے گا "

" ہوں ، لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ وُہ کس کمپنی کا آدمی تھا "

" ابّا جان نے ڈائری میں ضرور نوٹ کیا ہو گا " سرور نے جلدی سے کہا —

" ویری گڈ ! " وہ مسکرائے — حامد دوڑ کر خان رحمان کی ڈائری اُٹھا لایا — انسپکٹر جمشید نے ایک ہفتہ پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالی ، یہاں ڈان الیکٹرک کمپنی کا نام اور فون نمبر درج تھے ، انھوں نے

اسی وقت نمبر ڈائل کیے :

" میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں ، آپ کے ایک کارکن نے پچھلے ہفتے خان رحمان صاحب کے گھر کا سروے کیا تھا — یہاں ایک ہفتے بعد کام شروع کیا جائے گا ، کیا یہ بات ٹھیک ہے ؟ "

" بالکل ٹھیک جناب ! " دوسری طرف سے کہا گیا۔

" سروے کرنے والے کارکن کا نام کیا تھا ؟ "

" نواز دین " دوسری طرف سے جواب ملا۔

" کیا مسٹر نواز دین آج ڈیوٹی پر ہیں "

" جی ہاں — آج وہ شام کی ڈیوٹی پر موجود ہے "

" میں ان سے ملنا چاہتا ہوں ، مہربانی فرما کر انھیں روکے رکھیے ، میں پہنچ رہا ہوں "

" جی بہتر " دوسری طرف سے کہا گیا اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا —

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی — انھوں نے پھر ریسیور اٹھا لیا اور بولے :

" ہیلو "

" ہیلو سر ! اکرام عرض کر رہا ہوں — ایم ہارڈنگ کا نام ہمارے کسی ریکارڈ پر نہیں ہے — نہ یہ نام کبھی سننے میں آیا "

" اچھی بات ہے — دفتر میں ہی رہنا — نہ جانے کب ضرورت

پڑ جائے۔"

"جی بہتر!" اکرام نے کہا۔

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور بولے:

"لو بھئی۔ تم یہیں ٹھہرو، میں ذرا نواز دین سے مل آؤں۔"

"لیکن ابا جان! ہم آپ کے ساتھ کیوں نہ چلیں۔" فرزانہ بے چین ہو گئی۔

"اس لیے کہ ایم ہارڈنگ کا فون بھی تو آسکتا ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" محمود بولا، پھر اس نے قدموں کے نشانات کے بارے میں بھی بتایا۔ انھوں نے ان نشانات کا بھی جائزہ لیا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" وہ بولے اور تیز تیز قدم اٹھاتے باہر کی طرف چلے گئے۔ ان سب کی پریشانی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ محمود نے لپک کر فون کا ریسیور اُٹھایا اور بولا:

"ہیلو۔ کون صاحب؟"

"ایم ہارڈنگ!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

انسپکٹر جمشید بلا کی رفتار سے جیپ چلاتے ڈان الیکٹرک کمپنی کے دفتر تک پہنچے، جیپ سے اترے اور دفتر میں داخل ہو گئے، کمرے میں صرف ایک میز بچھی تھی، کرسی پر ایک آدمی بیٹھا نظر آیا۔ اس نے اُٹھ کر ان کا استقبال کیا اور گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا:

"مجھے عرفان بیازی کہتے ہیں سر۔ میں نے نواز دین کو اسی وقت ہدایت کر دی تھی۔ کیا اسے بلاؤں۔"

"شکریہ۔ ابھی ٹھہریں، پہلے میں آپ سے دو ایک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور، لیکن میں پریشان ہوں۔ آخر معاملہ کیا ہے۔"

"معاملہ بہت اہم ہے۔ کیا آپ اس فرم کے مالک ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ فرم کے مالک ایک غیر مُلکی شخص ہیں، ان کا نام مسٹر دانیال ہے۔ بیرونِ مُلک ہی رہتے ہیں، مہینے میں ایک دو بار یہاں آتے ہیں، حالات کا جائزہ لیتے ہیں، حساب کتاب چیک کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ان دنوں بھی یہاں آئے ہوئے ہیں، اگر آپ ان سے ملنا پسند کریں تو ہوٹل ڈی لکس کا کمرہ نمبر ۹ ان کے لیے ہے۔ سارا سال ان کے نام ہی بُک رہتا ہے۔ چاہے وہ یہاں ہوں یا نہ ہوں۔"

"شکریہ! وہ کب تک یہاں ٹھہریں گے؟" انھوں نے پوچھا۔

"چار پانچ روز اور ٹھہریں گے، تین دن پہلے آئے تھے۔"

"شکریہ! اب نواز دین کو بلوائیے۔"

"جی بہتر۔ لیکن اسے بلوانے سے پہلے کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ بات کیا ہے۔"

"بہتر یہی ہے کہ آپ پہلے انھیں بلوا لیں۔"

"اچھی بات ہے۔" عرفان نیازی نے کہا اور گھنٹی بجائی — جلد ہی چپراسی اندر داخل ہوا —

"نواز دین کو بلا لاؤ۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا، جلد ہی وہ ایک لمبے قد کے پتلے دبلے آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا اور پھر خود باہر نکل گیا —

"آؤ نواز دین بیٹھو۔ یہ محکمہ سراغرسانی کے انسپکٹر جمشید ہیں، تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"تو مجھے اسی لیے روکا گیا تھا۔"

"ہاں! وہ ہدایت اسی لیے تھی، تم کسی ضرورت کے تحت بھی تو اِدھر اُدھر جا سکتے تھے۔"

"جی۔ جی ہاں۔"

"مسٹر نواز دین۔ ایک ہفتہ پہلے آپ خان رحمان صاحب کے

گھر کا سروے کرنے گئے تھے، انھیں بجلی کی وائرنگ نئے سرے سے کرانی ہے۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے جناب۔ وہاں اگلے ہفتے کام شروع کرنا ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے پورے گھر کا جائزہ لیا تھا۔"

"صاف ظاہر ہے، پورے گھر کا جائزہ لیا تھا۔ آخر وائرنگ کرنا تھی۔"

"ہوں! آپ کو میرے ساتھ کمپنی سے باہر تک چلنا ہے اور اگر میں نے مناسب سمجھا تو پھر میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ مسٹر نیازی آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"اعتراض تو خیر نہیں، لیکن میں ضرور جاننا چاہوں گا کہ یہ سب کیوں کیا جا رہا ہے۔" اس نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں، قدرتی بات ہے کہ آپ جاننا چاہیں گے۔ تو سُنیے۔ آج صبح دن نکلنے سے کافی پہلے خان رحمان کو ان کے گھر سے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"جی۔ اغوا۔ لل۔ لیکن بھلا اس معاملے کا ہماری فرم سے کیا تعلق۔" عرفان نیازی اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ نواز دین کے منہ سے البتہ کوئی لفظ نہ نکل سکا، یوں

لگتا تھا جیسے وہ سکتے میں آگیا ہو۔

"تعلق ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، اسی بات کا اندازہ لگانے کی میں کوشش کر رہا ہوں۔"

"لیکن اس سلسلے میں نواز دین کو دفتر سے باہر لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہ میں سمجھتا ہوں کہ کیا ضرورت ہے۔ آئیے جناب۔" انھوں نے کہا۔

نواز دین ڈرے ڈرے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اور پھر جیپ کے پاس پہنچتے پہنچتے ہی انھوں نے کہا:

"ٹھیک ہے مسٹر نواز دین۔ آپ اپنے دفتر میں واپس جا سکتے ہیں۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ جا سکتا ہوں۔" وہ بھونچکا رہ گیا۔

"ہاں۔ بالکل جا سکتے ہیں۔"

"لیکن آپ لائے کیوں تھے؟"

"بس لایا تھا۔" انھوں نے کہا اور نواز دین کو حیرت زدہ چھوڑ کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ اب ان کی جیپ کا رُخ ہوٹل ڈی لکس کی طرف تھا۔ راستے میں ہی انھوں نے اکرام کو فون کیا:

"ہیلو اکرام۔ فوری طور پر ڈان الیکٹرک کمپنی کی نگرانی شروع کر دی جائے۔ اس کے ایک ورکر نواز دین اور مینیجر عرفان بیازی کی خاص طور پر نگرانی کی جائے۔ وہ جہاں بھی جائیں، ان کا تعاقب کیا جائے اور اگر کوئی خاص بات نظر آئے تو مجھے اطلاع دی جائے۔"

"اوکے سر!" اکرام نے کہا۔

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

دس منٹ بعد وہ ہوٹل ڈی لکس کے کمرہ نمبر ۹ کے دروازے پر دستک دے رہے تھے، کیونکہ کاؤنٹر کلرک نے انھیں بتایا تھا کہ مسٹر دانیال اپنے کمرے میں ہیں۔ کمرے کا دروازہ ایک منٹ بعد کھلا اور انھیں بھورے بالوں والا ایک غیر ملکی نظر آیا:

"جی فرمائیے۔" اس نے حیرت زدہ انداز سے انھیں دیکھا۔

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔ ڈان الیکٹرک کمپنی کے بارے میں چند سوالات کروں گا آپ سے۔"

"تشریف لائیے۔" وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

کمرے کو بہت ٹھاٹھ باٹھ سے سجایا گیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ مسٹر دانیال ان کے سامنے بیٹھ گیا:

"اب فرمائیے۔ کیا بات ہے؟"

"آپ مہینے میں ایک دو بار یہاں آتے ہیں، اپنی کمپنی کا

جائزہ لینے کے لیے ۔ گویا آپ کی عدم موجودگی میں مسٹر عرفان بیازی کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہوں گے۔"

"ہاں! بیازی بہت ایماندار آدمی ہے ۔ مجھے اس پر پوری طرح اعتماد ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے ۔ لیکن اگر آپ کی فرم کے مینجر اور ایک دو اور آدمی کسی مُجرمانہ سرگرمی میں مصروف ہوں تو اس کا بُرا اثر آپ کی فرم پر بھی پڑے گا ۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" انھوں نے کہا ۔

"مجرمانہ سرگرمی میں مصروف ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میرا خیال یہی ہے ۔" یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے اُٹھے اور کمرے سے نکلنے کے لیے مُڑے ۔

"ارے ۔ یہ کیا ۔ آپ جا رہے ہیں ۔ گویا آپ اپنی بات مکمل کر چکے ہیں۔"

"ہاں! میں یہی کچھ کہنے آیا تھا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آئے اور ایک بار پھر اکرام کو فون کیا:

"ہیلو اکرام ۔ ہوٹل ڈی لکس کے کمرہ نمبر ۹ میں ٹھہرے ہوئے غیر ملکی مسٹر دانیال کی بھی نگرانی کرائی جائے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور جیپ کی رفتار

بڑھا دی ۔ اب ان کا رُخ خان رحمان کے گھر کی طرف تھا ۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ ایم ہارڈنگ نے پھر فون کیا یا نہیں ۔ لیکن ابھی وہ نمبر ملا نہیں پائے تھے کہ چونک اُٹھے، ایک گاڑی یکساں رفتار سے ان کے پیچھے آ رہی تھی ۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے ۔ انھوں نے جیپ کی رفتار کم کر لی، اس کے ساتھ ہی پیچھے آنے والی کار کی رفتار بھی کم ہو گئی، اب انھوں نے رفتار یک دم زیادہ کی تو کار کی رفتار بھی اسی انداز میں تیز ہو گئی ۔

"اوہو ۔ یہ تو واقعی تعاقب ہو رہا ہے۔"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا ۔ اب فون کرنے کا وقت نہیں تھا ۔ چند لمحے کے لیے سوچا اور پھر جیپ کا رُخ شہر سے باہر جانے والی سڑک کی طرف کر دیا ۔ کار نے بھی اپنا رُخ اسی طرف کر لیا ۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے ۔ وہ رفتار بڑھانے لگے ۔ یہاں تک کہ جنگل کی حدود شروع ہو گئیں ۔

آخر آبادی کے آثار بالکل ختم ہو گئے ۔ اب انھوں نے جیپ آہستہ کرنا شروع کر دی اور آخر سڑک سے اُتار کر روک لی، پیچھے مُڑ کر دیکھا تو کار لمحہ بہ لمحہ ان سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی، وہ جلدی سے جیپ سے اُترے اور ایک درخت کی طرف لپکے،

دوسرے ہی لمحے ان کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا —

کار ان کی جیپ سے چند میٹر دُور رک گئی اور پھر اس کا دروازہ کھُلا —

کھردری آواز — ۲

ڈائری اور سانپ

" اوہ — تو یہ تم ہو — اب کیا کہنے کے لیے فون کیا ہے " محمود جل کر بولا۔

" فون پر خان رحمان کی آواز سنو — ان کی آواز پہچانتے ہو نا، اگر نہیں تو ریسیور ان کی بیوی یا کسی بچے کو دو " کھردری آواز گونجی —

" نہیں ! میں آواز پہچانتا ہوں " محمود نے کانپتی آواز میں کہا۔

" تو پھر سنو " کھردری آواز میں کہا گیا اور پھر چند سیکنڈ کے لیے خاموشی چھا گئی — آخر خان رحمان کی آواز اُبھری :

" ہیلو — اس طرف کون ہے فون پر ؟ "

" یہ میں ہوں انکل — محمود — آپ — آپ ٹھیک تو ہیں "

" ہاں ! بالکل خیریت سے ہوں، تم لوگوں کو گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ان لوگوں نے مجھے بہت آرام سے رکھا ہوا ہے "

" یہ تعداد میں کتنے ہیں اور کیا آپ جگہ کے متعلق کوئی اشارہ کر سکتے ہیں" اس نے سرگوشی کی۔

" نہیں بھئی — خان رحمان یہ کام نہیں کر سکتے" دوسری طرف سے ایم ہارڈنگ نے ہنس کر کہا، پھر بولا:

" اور ہاں ایک بات اور سن لو — خان رحمان اس وقت سخت تکلیف میں ہیں، ہم نے انھیں ایک جدید قسم کے شکنجے میں کس رکھا ہے، ان کی تمام ہڈیاں اس شکنجے کی وجہ سے اس طرح تنی ہوئی ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا — خان رحمان اتنی تکلیف میں کبھی بھی نہیں رہے ہوں گے، لیکن پھر بھی انھوں نے تم سے یہ کہا ہے کہ — وہ بالکل ٹھیک ہیں — خیر ان کی مرضی —" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

" بس — کیا تم اپنی بات پوری کر چکے ہو"

" ہاں! کر چکا ہوں"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا — محمود کا منہ سرخ ہو گیا — اس مرتبہ بہت ہی کمینے دشمن سے واسطہ پڑا تھا —

" کیوں محمود، کیا ہوا؟"

" ایم ہارڈنگ نے انکل کی آواز فون پر سنوائی ہے، گویا وہ ثابت یہ کرنا چاہتا ہے کہ انکل واقعی اس کی قید میں ہیں"

" اور کیا تم نے انکل کی آواز صاف پہچانی ہے؟"

" ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انکل ہی تھے — انھوں نے کہا ہے، میں بالکل خیریت سے ہوں، فکر کرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں"

" لیکن تمھارا چہرہ کیوں سرخ ہے" فرزانہ نے اس کی طرف بغور دیکھا —

" مجھے ایم ہارڈنگ پر غصہ آ رہا ہے" اس نے جلدی سے کہا۔

" لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں محمود — ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ان تک پہنچ سکیں"

" ٹھہرو — ابھی اسے پھر بھی فون کرنا ہے — ہم اس کا فون نمبر معلوم کر سکتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے اکرام کو فون کیا:

" ہیلو انکل — انکل خان رحمان کے فون نمبر پر مجرم دو بار فون کر چکا ہے، تیسری بار پھر کرے گا — اس کا نمبر نوٹ کرنے کا انتظام کر لیا جائے اور جونہی نمبر معلوم ہو، ہمیں اطلاع کر دیں اور ادھر چند سادہ لباس والے بھی دوڑا دیں"

" اچھی بات ہے" اکرام نے کہا اور محمود نے ریسیور رکھ دیا — ایسے میں اس کی نظر فاروق پر پڑی — وہ خان رحمان کی ڈائری کھولے بیٹھا تھا اور کسی بت کی طرح ساکت تھا:

" کیوں فاروق — خیر تو ہے — تمھیں کیا ہو گیا؟" اس نے حیران ہو کر کہا —

فاروق نے کوئی جواب نہ دیا، سر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ فرزانہ نے اس پر حیرت بھری نظر ڈالی اور بولی:

"شاید اسے انکل کی ڈائری کا سانپ سونگھ گیا ہے۔"

"ڈ ڈ۔ ڈائری کا سانپ۔" فاروق اُچھل پڑا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے۔ انکل غائب ہیں، انھیں کسی نے اغوا کر لیا ہے اور تمہیں مذاق کی سوجھی ہے۔" فرزانہ تلملا اُٹھی۔

"یہ تم نے کس طرح کہہ دیا کہ مجھے مذاق کی سوجھی ہے۔ ضرور تمہارا اپنا دماغ چل گیا ہے۔ میں دراصل خیالات میں گم تھا، سانپ کا لفظ سُن کر گڑبڑا اُٹھا۔ اور سوچ میں گم مجھے اس ڈائری نے کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" دونوں چونک کر بولے اور پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

فاروق نے اُنگلی ڈائری کے اندر لگا رکھی تھی، وہیں سے اس نے ڈائری کھول دی اور ان کے سامنے کر دی۔ ڈائری پر دو دن پہلے کا صفحہ تھا اور اس پر واضح لفظوں میں خان رحمان نے لکھا تھا۔

"آج ایک پارک میں مجھ سے ایم ہارڈنگ نامی آدمی نے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے ایک عجیب سا مطالبہ کیا، اتنا عجیب کہ میں اس کی بات سُن کر دھک سے

رہ گیا، لیکن پھر اسے پاگل خیال کر کے مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ مجھے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ شاید اسے اُمید نہیں تھی کہ میں اس کے مطالبے کو جھٹلا دوں گا۔"

ان الفاظ کے بعد خان رحمان نے اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ انھوں نے اس مطالبے کی وضاحت نہیں کی تھی۔ وہ الجھن کا شکار ہو گئے:

"اس کا مطلب ہے۔ ایم ہارڈنگ نے دو دن پہلے انکل سے کوئی مطالبہ کیا تھا۔ وہ انھوں نے پورا نہیں کیا؛ چنانچہ اس نے انتقام لینے کے لیے انھیں اغوا کر لیا اور یہی وجہ ہے کہ اب وہ فون پر ہم سے بلی چوہے کا کھیل کھیل کر لطف اندوز ہو رہا ہے۔" محمود جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"ہوں! ضرور یہی بات ہے۔ اور اب مجھے ایک اور بہت خاص بات یاد آ رہی ہے۔ جانی۔ آپ کے ہاں تمام اخبارات ترتیب سے رکھے ہوئے تو مل جائیں گے۔ یا ہمیں اس کے لیے گھر جانا پڑے گا۔"

"یہاں اخبارات ترتیب سے موجود ہیں۔"

"شکریہ۔ ہمیں مطالعے کے کمرے تک لے چلو۔" فرزانہ بے تابانہ لہجے میں بولی۔

وہ مطالعے کے کمرے میں آئے — ابھی تک انھیں یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ فرزانہ اخبارات میں کیا دیکھنا چاہتی ہے — وہ کمرے میں آتے ہی اخبارات میں گم ہو گئی :

"بھئی یہ کیا — کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ — آخر تم کیا دیکھنا چاہتی ہو ؟"

"چُپ رہو — تم لوگ اخبارات کی تمام خبریں نہیں پڑھتے — بس سُرخیاں پڑھ لیتے ہو اور خاص خاص خبر پوری پڑھتے ہو، جب کہ میری عادت یہ ہے کہ ہر خبر پوری پڑھتی ہوں — اگرچہ اس میں کچھ وقت لگتا ہے، لیکن یہ میری عادت ہے اور یہ عادت آج کام آ کر رہے گی۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"چلو شکر ہے، یہ عادت تمھاری کام تو آئی۔" فارُوق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

فرزانہ نے کوئی جواب نہ دیا اور اخبارات کی طرف متوجہ رہی، محمود اور فارُوق بُرا سا مُنہ بنائے بغیر نہ رہ سکے۔

"اگر تم ہمیں بھی بتا دو کہ اخبارات میں کس قسم کی خبر تلاش کرنا ہے تو ہم بھی تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور اس طرح اس کام میں وقت کم لگے گا۔" محمود نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا نا، چُپ رہو — میں اس کام میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔" اس نے جھنجلا کر کہا اور پھر چونک اُٹھی :

"لو یہ رہی وُہ خبر — کتنی دیر لگائی میں نے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے قلم نکالا اور خبر کے گرد نِشان لگا دیا۔ دونوں بے تابانہ انداز میں اس پر جھک گئے — خبر کی سُرخی یہ تھی :

"سر نواز ملک سے ایک عجیب مطالبہ !"

اور نیچے خبر کی تفصیل درج تھی جس کے الفاظ یہ تھے :

"آج شام ایک پبلک پارک میں شہر کے مشہور سیاسی لیڈر سر نواز ملک سے ایک شخص ایم ہارڈنگ نے ملاقات کی، اس نے ان سے ایک عجیب مطالبہ کیا، لیکن سر نواز ملک نے اس کا وُہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، ایم ہارڈنگ نامی آدمی دبے لفظوں میں دھمکی دے کر چلا گیا — اس دھمکی کے پیشِ نظر سر نواز ملک نے اپنے علاقے کے تھانے میں اس کے خلاف رپورٹ درج کرا دی، لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ وُہ مطالبہ کیا تھا — جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔"

خبر یہیں تک تھی۔ محمود اور فارُوق کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی — ادھر فرزانہ پھر اخبارات میں گم ہو چکی تھی —

"اور کل کے اخبارات میں ہم نے غالباً یہ خبر پڑھی تھی کہ سر نواز ملک اطلاع دیے بغیر اپنے گھر سے کہیں چلے گئے اور

رات گئے تک لوٹ کر نہیں آئے۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں! یہ خبر میں نے بھی پڑھی تھی اور پھر یہ سوچ کر اسے ذہن سے جھٹک دیا تھا کہ سیاسی لوگ اپنی شہرت کو ہوا دینے کے لیے اس قسم کے چکر چلایا ہی کرتے ہیں۔"

"میں وہی خبر دیکھ رہی تھی ۔ لو مل گئی ۔ اب اسے بھی پڑھ لو ۔"

انھوں نے اس خبر کو بھی پڑھا ۔ سرنواز ملک ، خان رحمان کے انداز میں ہی غائب ہوئے تھے ۔۔

"آؤ ۔ ذرا سرنواز ملک کے گھر ہو آئیں ۔ شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔" محمود پُرجوش انداز میں بولا۔

"ضرور ۔ کیوں نہیں ۔ میرا خیال ہے ، ہم بالکل درست راستے پر جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ابا جان ڈان الیکٹرک کمپنی کے دفتر گئے تھے ۔ نہ جانے اب تک کیوں لوٹ کر نہیں آئے۔" فاروق چلتے چلتے رُک گیا۔

"کیوں نہ روانہ ہونے سے پہلے ابا جان کو فون کر لیں۔" فرزانہ بولی ۔۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انھوں نے جلدی جلدی ڈائریکٹری میں نمبر دیکھے اور پھر نمبر گھمائے ۔۔

"ہیلو ۔ کیا یہ ڈان الیکٹرک کمپنی کا دفتر ہے؟" محمود بولا۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔"

"یہاں انسپکٹر جمشید صاحب ہوں گے ، ذرا انھیں فون پر بلا دیں۔"

"وہ آئے تھے ، لیکن کچھ دیر پہلے جا چکے ہیں۔"

"اوہ ۔ کتنی دیر پہلے؟"

"بیس منٹ تو ہو ہی چکے ہیں۔" جواب ملا۔

"شکریہ جناب!" اس نے کہا اور ریسیور رکھ کر بولا:

"ابا جان وہاں سے بیس منٹ پہلے روانہ ہو چکے ہیں ، شاید وہ کہیں اور چلے گئے ۔ اب دیر کرنا مناسب نہیں ، آؤ چلیں۔" یہ کہہ کر محمود بیگم خان رحمان کی طرف مڑا:

"آپ امی جان اور پروفیسر انکل کو فون کر کے یہاں بلا لیں ۔ اور فون کے پاس موجود رہیں ۔ جونہی ایم ہارڈنگ فون کرنے ، ریسیور رکھتے ہی انکل اکرام کو فون کر دیں ۔ ان کے نمبر میں یہاں لکھ دیتا ہوں ۔ سمجھ گئے نا آپ لوگ۔"

"ہاں محمود ۔ تم فکر نہ کرو۔" حامد نے کہا ۔ محمود ڈائریکٹری سے سرنواز ملک کا پتا نوٹ کر چکا تھا ۔۔

اور وہ باہر نکل آئے ۔ سرنواز ملک ملک کا ایک بہت بڑا آدمی تھا ، اس کے پاس دولت بے تحاشہ تھی ۔ وہ ایک

سیاسی آدمی تھا اور الیکشن میں حصّہ لینا اس کا خاص شوق تھا — اس کی کوٹھی محل نما تھی — محمود نے موٹر سائیکل سے اُتر کر دستک دی — فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک سیاہ رنگ کے مُلازم کی صورت دکھائی دی:

"ہاں جی — کیا بات ہے" اس کا لہجہ اکھڑ تھا۔

"آپ کا نام" فاروق نے پوچھا۔

"خادم حسین — ہوں بھی اس گھر کا خادم" اس نے بُرا سا مُنہ بنایا —

"ہمیں سرفراز ملک صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیا آپ لوگ اخبارات نہیں پڑھتے" اس نے اور بھی بُرا مُنہ بنایا —

"ضرور پڑھتے ہیں — اور یہ بھی جانتے ہیں کہ سرفراز ملک اِطلاع دیے بغیر کہیں گئے ہوئے ہیں — ہم نے سوچا، شاید اب تک واپس آگئے ہوں گے" محمود پُرسکون آواز میں بولا۔

"نہیں، ابھی تک نہیں آئے — جب آئیں گے تو اخبار میں خبر شائع ہو جائے گی — خبر پڑھ کر آ جانا" اس نے گویا یہ بتا کر بڑا احسان کیا۔

"شکریہ — یہ ضروری نہیں کہ ہم ان سے ہی ملیں، ہمارا کام گھر کے کسی اور فرد سے ملاقات کر کے بھی چل سکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمیں ان کے کسی بیٹے سے یا کسی اور فرد سے ملوا دیں۔"

"آپ اپنا کارڈ دے دیں" وہ بولا۔

محمود نے اپنا کارڈ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور وہ اندر چلا گیا، ایک منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی:

"چلیے جناب — ملک صاحب کے چھوٹے بھائی آپ سے مُلاقات کریں گے۔"

"یہی کافی ہے، شکریہ" محمود خوش ہو کر بولا۔

وہ اندر داخل ہوئے اور خادم حسین کے پیچھے چلتے ڈرائنگ روم میں آئے — ڈرائنگ روم شاہانہ انداز میں سجا ہوا تھا — وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئے — جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی — اور پھر ایک لمبے چوڑے قد کا خوفناک سے چہرے والا آدمی اندر داخل ہوا:

"جی فرمائیے — لیکن — کارڈ تو ایک ملا تھا" اس نے آتے ہی کہا —

"تین کارڈ دینے کی کیا ضرورت تھی، یہ میرے بھائی اور بہن ہیں" محمود نے کہا۔

"آپ کا نام تو خیر محمود ہے — ان کے نام" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

" یہ فاروق اور فرزانہ ہیں۔" محمود نے کہا۔

" فاروق اور فرزانہ — محمود ، فاروق اور فرزانہ۔" وہ حیرت زدہ انداز میں بڑبڑایا۔

" کیوں! کیا بات ہے — کیا ہمارے نام بہت عجیب ہیں؟" محمود نے پوچھا —

" ہاں! بہت زیادہ عجیب — آپ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں نا؟" اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

" آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" فاروق مسکرایا۔

" اوہ!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا — آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

" ارے لیکن — اس میں اچھل پڑنے کی کیا بات ہے بھئی۔" محمود بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک وہ مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکل گیا:

" یہ کیا ہوا؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

" پتا نہیں — اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

" یہ لوگ ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے اور کوئی بات نہیں۔"

اسی وقت بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی، پھر کئی لڑکے

اور لڑکیاں اندر داخل ہوئے اور ان سب سے پیچھے سرفراز ملک کا بھائی تھا — ان سب کے چہروں پر حیرت تھی:

" آپ لوگ ہمیں اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

" آپ ہیں ہی ایسی چیز۔" ایک لڑکی بولی۔

" معاف کیجیے گا، ہم انسان ہیں، چیز نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا —

" کیا آپ فاروق ہیں۔" ایک لڑکا فوراً بولا۔

" اس میں تو خیر کوئی شک نہیں۔"

" بھئی میں بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر سرفراز ملک کا بھائی مسکراتا ہوا آگے بڑھا:

" دراصل ہم سب آپ لوگوں کے کارنامے بہت ذوق اور شوق سے پڑھتے ہیں۔"

" اوہ! تو یہ بات ہے — خیر — یہ تو ہوا — پہلے تو آپ یہ بتائیے سرفراز ملک اب تک لوٹے یا نہیں؟"

" ابھی تک نہیں۔" ان کے بھائی نے کہا۔

" آپ کا نام کیا ہے جناب؟" محمود نے پوچھا۔

" بیتاب ملک۔" وہ بولا۔

" تو جناب بیتاب — آپ نے اپنے بھائی صاحب کی گمشدگی کی

رپورٹ درج کرائی ہے؟"

" گم شدگی کی رپورٹ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — بھائی جان گم کب ہوئے ہیں؟"

" تو ابھی تک آپ کو اغوا کرنے والے کا فون موصول نہیں ہوا، کمال ہے۔"

" اغوا کرنے والے کا فون — اُف خدا — آپ لوگوں کا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

" ہاں! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

" پھر — آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟" بیتاب ملک نے بیتاب ہو کر کہا۔

عین اسی وقت کمرے میں رکھے فون کی گھنٹی بجی — بیتاب ملک نے جلدی سے ریسیور اُٹھایا اور بولے:

" بیتاب ملک بول رہا ہوں، فرمائیے — آپ کون ہیں؟"

یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی گفتگو سننے لگے — اور پھر اچانک فون کا ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے لٹکنے لگا، آنکھیں خوف اور دہشت سے پھیل گئیں، پھر ان کے منہ سے تھرتھراتی آواز میں نکلا:

" ایم — ایم — ہارڈونگ"

" انکل — آپ کو کیا ہوا — آپ نے کیا کہا — ایم ہارڈونگ" بڑا

لڑکا چلا اُٹھا، لیکن بیتاب ملک کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا، وہ دھڑام سے گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

" ارے ارے — یہ کیا ہوا" وہ سب ان کی طرف جھپٹے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر فکر مندی کے آثار پھیل گئے — وہی ہو چکا تھا جس کا انہیں ڈر تھا —

مل گیا

انھوں نے درخت کی اوٹ سے دیکھا ، کار سے اُترنے والا کوئی مرد نہیں ایک لڑکی تھی ۔ اس نے درختوں کی طرف ایک نظر ڈالی اور پھر قدرے بلند آواز میں بولی :

" انسپکٹر جمشید صاحب ۔ آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ۔ مہربانی فرما کر سامنے آجائیے ، مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے ۔"

" میں سامنے آ رہا ہوں ، میرے ہاتھ میں پستول ہے ۔ اگر آپ نے کوئی غلط حرکت کی تو ذمے دار آپ خود ہوں گی ۔"

" ٹھیک ہے ۔ میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گی ۔" اس نے ہنس کر کہا ۔

انسپکٹر جمشید اُلجھن کے عالم میں درخت کی اوٹ سے نکل آئے اور اس کی طرف بڑھنے لگے :

" شکریہ انسپکٹر صاحب !" لڑکی نے مسکرا کر کہا ۔

" آپ میرا پیچھا کیوں کر رہی تھیں ؟"

" آپ سے آپ کے دوست کے بارے میں چند باتیں کرنا چاہتی تھی ۔"

" کیا مطلب ۔ کیا آپ کا اشارہ خان رحمان کی طرف ہے ۔"

" جی ہاں ! انھی کی طرف ہے ۔" اس نے جواب دیا ۔

" بہت خوب ۔ تو خان رحمان تم لوگوں کی قید میں ہیں ۔"

" ہاں ! یہی بات ہے ۔"

" لیکن کیوں ۔ آخر ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟"

" ضرورت تو باس جانے ۔ ہم تو اس کے کارندے ہیں ۔ ہمارا کام ہے ، اس کے احکامات کی تعمیل کرنا اور بس ۔"

" ہوں ٹھیک ہے ۔ آپ مجھ سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہیں ۔"

" ایک مشورہ دینے آئی ہوں ۔ نیک مشورہ ۔"

" سنائیے ۔ میں سُن رہا ہوں ۔" وہ منہ بنا کر بولے ۔

" ہم لوگ فون پر آپ کی بات آپ کے دوست سے کرا دیتے ہیں ۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ ہمارا مطالبہ مان لیں ۔"

" بھلا میں یہ بات کس طرح کہہ سکتا ہوں ، جب کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کا مطالبہ کیا ہے ۔"

" کیا آپ اپنے دوست کی زندگی نہیں بچانا چاہتے ۔"

" کیوں نہیں ، ضرور چاہتا ہوں ۔"

" تو پھر ان سے کہیے ۔ کہ ہمارا مطالبہ مان لیں ۔"

" یہ میں صرف اس صورت میں کہہ سکتا ہوں ، جب آپ یہ بتا دیں کہ مطالبہ کیا ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی ۔ آخر بولی :

" اچھا ٹھیک ہے ۔ ہم اپنا مطالبہ آپ کو بتا دیتے ہیں ۔ پھر تو آپ فون پر کہہ دیں گے نا۔"

" ٹھیک ہے ۔ اگر وہ بات ملک اور قوم کے خلاف نہ ہوئی تو ضرور کہہ دوں گا۔"

" شکریہ ! تو پھر سنیے ۔ ہمارا مطالبہ ان سے صرف یہ ہے کہ وہ اپنی سونے کی کان ہمارے ہاتھوں فروخت کر دیں ۔ اب دیکھ لیجیے ۔ یہ کوئی ایسا مطالبہ نہیں ہے۔"

" آپ لوگ آخر سونے کی کان کیوں خریدنا چاہتے ہیں ؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

" یہ ہمارا مسئلہ ہے ۔ ہم منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں ۔"

" ٹھیک ہے ۔ میں فون پر کہے دیتا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کا مطالبہ مان لیں اور کچھ۔"

" اور یہ کہ کوئی چال چلنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

" کیا مطلب ۔" وہ چونک اٹھے۔

" شاید آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ اچانک مجھ پر حملہ کر کے گرفتار کر لیں گے اور پھر مجھ سے اپنے دوست کا پتا معلوم کر لیں گے ۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

" ہاں ٹھیک ہے اور یہ میرے لیے ذرا بھی مشکل کام نہیں ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" لیکن میں وضاحت کر دوں ۔ اگر میں نے واپس پہنچ کر ان کے فون کا جواب نہ دیا تو وہ خان رحمان کو قتل کر دیں گے۔"

" کیا مطلب ۔" انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔

" مطلب یہ کہ مجھے ٹھیک آدھ گھنٹے بعد اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ہے ، کیونکہ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد وہ فون کریں گے اور آپ کی رائے معلوم کریں گے ، لیکن میرے نہ پہنچنے کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ مجھے گرفتار کر لیا گیا ہے ، اس صورت میں آپ کے دوست کو زندہ نہیں رکھا جائے گا۔"

" اوہ !" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

" ہاں ! سوچ لیں ۔ غور کر لیں ۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے دوست سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔"

" تو وہ لوگ خان رحمان سے صرف ان کی سونے کی کان خریدنا چاہتے ہیں ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ، پھر حیران ہو کر بولے :

" لیکن کون سی سونے کی کان ؟"

ی ایم ہارڈنگ کا فون ملا، میں خان رحمان کو فون پر کہہ دوں
ر اس کا مطالبہ مان لیں۔"

"بہت بہت شکریہ! ہمیں اُمید تھی کہ آپ عقل مندی کا ثبوت
ں گے۔ مہربانی فرما کر میرا تعاقب کرنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔"

"نہیں کروں گا۔" انھوں نے جواب دیا۔

"اور نہ فون پر خان رحمان سے اِدھر اُدھر کی کوئی بات کریں
، صرف ان سے یہ کہیں گے کہ مسٹر ایم ہارڈنگ کا مطالبہ مان لیں۔"

"کیا مطلب۔ کیا میں کان کا ذکر نہ کروں۔"

"نہیں! اس طرف گفتگو لمبی ہو جائے گی۔ ہمارا فون نمبر معلوم
نے کی کوشش پہلے ہی بہت تیزی سے ہو رہی ہوگی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں خان رحمان کو صرف یہی الفاظ کہوں گا۔"

"تو پھر میں چلتی ہوں۔" اس نے کہا اور مڑ گئی۔ جلد ہی اس کی
اڑی جا رہی تھی۔ جونہی کار نظروں سے اوجھل ہوئی۔ انسپکٹر جمشید
پ میں لگے فون پر جھک گئے اور جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے
، پھر جونہی اکرام کی آواز سنائی دی۔ وہ بول اُٹھے:

"اکرام۔ شمالی سڑک سے سُرخ رنگ کی ایک کار شہر کی طرف بڑھ

ہرگز نہ ہو۔ ورنہ خان رحمان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"اوہ۔ بہت بہتر سر۔" اکرام کی آواز سنائی دی اور انھوں نے
ریسیور رکھ دیا۔

اب ان کی جیپ بھی شہر کی طرف روانہ ہوئی۔ شہری حدود
میں پہنچ کر انھوں نے اکرام کو پھر فون کیا:

"ہاں، اکرام کیا رہا۔" وہ بولے۔

"ہم ایسی سُرخ کار کا کوئی سراغ نہیں پا سکے سر۔ جسے نیلے
کپڑوں والی ایک لڑکی چلا رہی ہو۔"

"ہوں! خیر کوئی بات نہیں۔" انھوں نے کہا اور جیپ کی رفتار
بڑھا دی، کیونکہ اب انھیں جلد از جلد خان رحمان کے گھر پہنچنا
تھا۔

○

بیتاب ملک نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ان کے چہرے پر پانی
کے چھینٹے مارے گئے۔ تب کہیں جا کر انھوں نے آنکھیں کھولیں:

"م۔ مجھے کیا ہوا۔"

"آپ کو ایم ہارڈنگ ہو گیا تھا۔" فاروق نے افسوس زدہ لہجے میں کہا —

"اوہ۔" ان کی آنکھوں میں پھر خوف پھیل گیا — بدن میں کپکپی سی دوڑ گئی، پھر انھوں نے کہا:

"اُف خُدا — اس کی آواز کس قدر کھُردری تھی — اس نے کہا ہے کہ بھائی جان اس کی قید میں ہیں۔"

"نہیں!" سرنواز ملک کے بچے چلا اُٹھے۔

"اور کیا کہا تھا اس نے۔" بڑا لڑکا چیخ کر بولا۔

"اور — اور اس نے کچھ نہیں کہا، بس اتنا کہہ کر فون کا ریسیور رکھ دیا۔"

"ارے — یہ ایم ہارڈنگ وہی تو نہیں جس نے چند روز پہلے ابا جان سے ایک پارک میں کوئی مطالبہ کیا تھا۔" ایک لڑکی بولی۔

"ہاں! وہی لگتا ہے — خُدا جانے یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔" بڑے لڑکے نے بھرائی آواز میں کہا۔

"دیکھیے صاحبان — گھبرانے اور چیخنے چلانے سے کام نہیں چلے گا — حوصلہ رکھیے، ہمت کیجیے — کچھ ہماری باتیں سُنیے، کچھ اپنی سنائیے، اس طریق پر ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں — پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ ایم ہارڈنگ والا واقعہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی پیش نہیں آیا — بلکہ ایک اور واقعہ بھی ہو چکا ہے۔"

"جی — کیا کہا — ایک اور واقعہ۔" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

"جی ہاں — سُنیے — میں تفصیل سُناتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے خان رحمان کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ دُہرا دیا اور مکمل کرنے کے بعد بولا:

"اب ذرا مجھے یہ بتا دیجیے — ایک آدھ ہفتہ پہلے کوئی شخص گھر میں تو نہیں آیا تھا — مرمت وغیرہ کے سلسلے میں، بجلی کی وائرنگ کے سلسلے میں — یا اور کوئی اس قسم کا سلسلہ لے لیں — ذہن دوڑائیے اور بتائیے —"

وہ سوچ میں ڈوب گئے — آخر بڑے لڑکے نے کہا:

"ہاں یاد آیا — ڈان الیکٹرک کمپنی کا ایک آدمی وائرنگ کا جائزہ لینے آیا تھا۔"

"کیا!!" محمود، فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ چلا اُٹھے — ان کے چہروں پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔

"کیا ہوا — خیر تو ہے۔" بیتاب ملک نے بوکھلا کر کہا۔

"ہمارے انکل خان رحمان کے ہاں بھی ڈان الیکٹرک کمپنی کا ایک کارکن وائرنگ کا جائزہ لینے آیا تھا۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ تو کوئی گہرا چکر معلوم ہوتا ہے۔" ایک لڑکی بڑبڑائی۔

"سوال یہ ہے کہ کیا سرنواز ملک صاحب نے بجلی کی فرم کے

کارکُن کو خود بُلایا تھا۔"

"جہاں تک مجھے معلوم ہے، انھوں نے خود ہی فون کیا تھا ڈان کمپنی کو۔" بڑا لڑکا بولا۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی۔ کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمارے انکل نے بھی ڈان الیکٹرک کمپنی کو خُود فون کیا تھا۔"

"تب تو ضرور وہی لوگ مجرم ہیں۔" فارُوق بول اُٹھا۔

"ہاں۔ اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"محمود۔ مجھے ایک بات اور یاد آ رہی ہے۔ ہمیں ایک بار پھر اخبارات کا جائزہ لینا ہوگا۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"اب کیا یاد آ گیا؟" محمود نے مُنہ بنایا۔

"یہاں اخبارات تو ہوں گے۔ ایک ہفتے کے۔"

"یہاں تو کئی ماہ کے مل جائیں گے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"تو پھر ہمیں اخبارات والے کمرے میں لے چلیے۔"

"آئیے۔" ان سب نے ایک ساتھ کہا اور پھر انھیں لے کر وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں اخبارات اور رسائل سلیقے سے لگائے گئے تھے۔

"کاش! تم ہمیں بھی کچھ بتا دیا کرو۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔ اسی وقت فرزانہ چلّا اُٹھی:

"مل گیا۔ یہ دیکھو۔ یہ رہا۔"

"کک۔ کون مل گیا۔" فارُوق نے بوکھلا کر کہا۔

اور پھر دونوں کی آنکھیں اخبار پر اس جگہ جم گئیں جہاں فرزانہ نے اُنگلی رکھی ہوئی تھی۔ اچانک ان کی آنکھوں میں ایک چمک نمودار ہوئی۔۔۔

جی اے راجہ

انسپکٹر جمشید خان رحمان کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے کانوں سے پروفیسر داؤد کی آواز ٹکرائی، انہیں دیکھتے ہی وہ بولے:

"تو آپ بھی پہنچ گئے پروفیسر صاحب۔"

"صرف میں ہی نہیں، بھابی بھی ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہوں! محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"تھوڑی دیر پہلے ہی کہیں گئے ہیں۔"

"ایم ہارڈنگ کا پھر تو کوئی فون نہیں آیا۔"

"ہاں! آیا تھا — محمود نے سنا تھا، اسے ابا جان کی آواز سنائی گئی تھی — ابا جان نے فون پر یہی کہا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں، فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" حامد نے جلدی جلدی بتایا۔

"ہوں — اور کوئی نئی بات۔"

"اور تو کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔" حامد نے کہا۔

انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھ گئے — اکرام کے نمبر ڈائل کیے

اور بولے:

"ہاں! اکرام کیا رپورٹ ہے۔"

"آپ کا فون ملنے کے فوراً بعد ڈان الیکٹرک کمپنی کی نگرانی شروع کرا دی گئی تھی، لیکن وہاں سے نہ کوئی باہر نکلا، نہ کوئی اندر گیا — دوسری طرف ہوٹل ڈی لکس کے مسٹر دانیال کی نگرانی بھی ہو رہی ہے — وہ بدستور اپنے کمرے میں موجود ہے — ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ہوں — ڈان کمپنی سے کوئی آدمی نکلتا نظر نہیں آیا۔" انھوں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو اکرام گڑبڑ لگتی ہے — ہو سکتا ہے، نگرانی شروع ہونے سے پہلے ہی وہ لوگ کمپنی سے نکل گئے ہوں — لہذا اب تم اپنے ماتحتوں کو حکم دو کہ وہ ڈان کمپنی کا اندر سے جائزہ لے لیں۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

انسپکٹر جمشید کچھ لمحات کے لیے سوچ میں گم رہے، پھر بولے:

"یوں کام نہیں چلے گا — مجھے ہی جانا ہو گا — لل — لیکن نہیں۔ میں بھلا کس طرح جا سکتا ہوں — مجھے تو یہاں ٹھہرنا پڑے گا — فون کے لیے۔" انھوں نے یہ الفاظ بڑبڑانے کے انداز میں کہے۔

پروفیسر داؤد سے رہا نہ گیا، بول اٹھے:

" جمشید — شاید خان رحمان کی گم شدگی نے تمھیں پریشان کر دیا ہے، میرا خیال ہے پریشانی تمھارے لیے مفید نہیں رہے گی، نہایت اطمینان اور سکون سے کام کرو، خان رحمان کوئی چھوٹے سے بچّے نہیں ہیں۔"

" ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ایک بار پھر اکرام کے نمبر ڈائل کیے:

" ہیلو اکرام — بھئی معاف کرنا — بار بار تمھیں تکلیف دے رہا ہوں — کیا تم ڈان کمپنی کے لیے فون کر چکے ہو؟"

" سلسلہ ملانے کی برابر کوشش کر رہا ہوں سر — ابھی تک —" اکرام کہتے کہتے رُک گیا، کیونکہ اسی وقت انسپکٹر جمشید بول اُٹھے تھے:

" کوئی بات نہیں — اب تم ایسا کرو کہ اس مہم پر خود چلے جاؤ، بہت باریک بینی سے کمپنی کے اندرونی حصّے کی تلاشی لینی ہے۔"

" جی بہت بہتر — میں اسی وقت روانہ ہو رہا ہوں۔" دُوسری طرف سے اکرام نے کہا۔

ابھی انھوں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی — انھوں نے فوراً ریسیور اُٹھا لیا اور بولے:

" ہیلو — کون صاحب؟"

" تو آپ یہاں پہنچ چکے ہیں۔" وہی کھُردری آواز سنائی دی۔

" ہاں پہنچ گیا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد تھا۔

" تو پھر اپنے دوست سے بات کر لو، یاد رہے، اگر آپ نے اِدھر اُدھر کی کوئی بات کی تو آپ کے دوست کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

" اچھی بات ہے — نہیں کروں گا — بات کراؤ۔" انھوں نے کہا اور ادھر حامد کو اشارہ کیا — وُہ ان کا اشارہ سمجھ گیا، فوراً باہر نکلا اور ایک پبلک فون بوتھ سے دفتر کے نمبر ڈائل کیے — دوسری طرف سے حوالدار محمد حسین آزاد کی آواز سنائی دی:

" ہیلو کون صاحب ہیں؟"

" م — میں حامد ہوں جناب — حامد۔"

" کون حامد — میں کسی حامد کو نہیں جانتا۔" دوسری طرف سے محمد حسین نے بھنّا کر کہا۔

" اوہو — وقت بہت نازک ہے — انکل انسپکٹر جمشید صاحب، ایم ہارڈنگ سے بات کر رہے ہیں فون پر — جلد وہ نمبر معلوم کرنے کی کوشش کی جائے، جس سے وُہ بات کر رہا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے ریسیور میں خان رحمان کی تکلیف دہ آواز سُنی:

" ہیلو — جمشید میرے دوست — یہ تم ہو؟"

" ہاں — تم ان کی بات مان لو — میں دیکھ لوں گا۔"

"کک — کیسے مان لوں — تم نہیں جانتے جمشید — ان کا مطالبہ کیا ہے۔"

"کچھ بھی کیوں نہ ہو — مان لو۔"

"نہیں — نہیں — نہیں۔" انھوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید کے رونگٹے کھڑے ہوگئے — آواز سے حد درجے تکلیف محسوس ہو رہی تھی —

"آخر ایسی کیا مجبوری ہے — کیا وہ ملک اور قوم کے خلاف۔"

اسی وقت سلسلہ کاٹ دیا گیا — انسپکٹر جمشید ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے — اور پھر انھوں نے دفتر کے نمبر گھمائے — اس وقت تک حامد وہاں آچکا تھا:

"ہیلو — جمشید بول رہا ہوں — نمبر نوٹ کیے یا نہیں۔"

"جی ہاں! فون ۹۴۴۳۲۱ نمبر سے کیا گیا ہے — ایکسچینج کو فون کیا ہے — ابھی معلوم ہو جاتا ہے — یہ کس کے نمبر ہیں۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — جونہی نمبر معلوم ہو، مجھے فون کرنا۔"

"او کے سر!" محمد حسین آزاد نے بوکھلا کر کہا۔

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا — بے تابانہ انداز میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے:

"جمشید — میں نے تمھیں اس حد تک بے چین کبھی نہیں دیکھا —" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس سے پہلے کبھی کسی نے میرے دوست کو اغوا بھی تو نہیں کیا تھا۔" وہ بولے۔

"لیکن ہم لوگ مصیبت میں تو پھنستے ہی رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔"

"ہاں واقعی — پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا ہے۔" وہ بولے — اب وہ انھیں کیسے بتاتے کہ وہ کیوں پریشان ہیں — خان رحمان کس قدر تکلیف میں تھے، یہ کچھ وہی جانتے تھے۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور ریسیور کان سے لگاتے ہی محمد حسین آزاد کی آواز سنائی دی:

"معلوم ہوگیا سر — یہ جی اے راجہ نامی ایک شخص کا ہے، پتا ہے، ۱۰۴، چوکان نگر۔"

"ویری گڈ محمد حسین — فوراً روانہ ہو جاؤ اور ۱۰۴ نمبر کو گھیرے میں لے لو، کوئی شخص بھی اس عمارت سے نکل کر کہیں جانے نہ پائے، جو بھی نکلے، اسے گرفتار کرلو، سمجھ گئے۔"

"جی — جی ہاں بالکل سمجھ گیا۔"

"میں بھی پہنچ رہا ہوں، شاید تم سے پہلے پہنچ جاؤں۔"

"جی بہت بہتر!" اس نے کہا اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا —

"آپ سب لوگ اطمینان سے گھر میں رہیں، خان رحمان کا

سراغ مل گیا ہے ، انشاء اللہ میں انھیں لے کر ہی لوٹوں گا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی، پھر جیپ میں بیٹھے اور چوکان نگر کی طرف روانہ ہو گئے — چوکان نگر ان کے گھر کی نسبت دفتر سے زیادہ نزدیک تھا ، اس لیے امکان یہی تھا کہ محمد حسین آزاد وہاں پہلے پہنچ جائے گا — اور اس کا بھی امکان تھا کہ اس سے کوئی چوک ہو جاتی — اب انھیں افسوس ہوا کہ انھوں نے محمد حسین کو اپنے آپ سے پہلے پہنچنے کے لیے کیوں کہا — اسے تو ان سے ایک دو منٹ بعد پہنچنا چاہیے تھا ، لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا — سوائے اس کے کہ وہ جیپ کی رفتار بڑھاتے چلے گئے — سڑکوں پر اب رش نہیں تھا — رات ہو چلی تھی — اور پھر جب وہ چوکان نگر کی حدود میں داخل ہوئے انھیں پولیس کی گاڑیاں نظر آ گئیں — گاڑیاں ان کے دیکھتے ہی دیکھتے رُکیں — اتنے میں وہ ان تک پہنچ گئے — محمد حسین آزاد نے جونہی انھیں دیکھا ، تیر کی طرح ان کی طرف آیا :

"آپ پہنچ گئے سر !"

"ہاں ! میں مکان نمبر ۱۰۴ کی طرف جاتا ہوں ، تم نہایت غیر محسوس طور پر مکان نمبر ۱۰۴ کے گرد گھیرا ڈال دو اور گھیرے کو تنگ کرتے جاؤ۔"

"جی بہتر !" اس نے فوراً کہا اور وہ آگے بڑھ گئے — مکان نمبر

۱۰۴ تلاش کرنے میں انھیں دیر نہ لگی — جیپ کو کچھ فاصلے پر روک کر انھوں نے پہلے مکان کا جائزہ لیا — یہ ایک پُرانا لیکن بڑا مکان تھا — دروازہ بہت مضبوط لکڑی کا تھا اور اس میں کیلیں جڑی ہوئی تھیں — دروازے پر گھنٹی کا کوئی بٹن بھی نہیں لگا ہوا تھا — انھوں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ دستک دی اور انتظار کرنے لگے :

ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور سر سے گنجے ایک شخص پر نظر پڑی، یہ ایک بوڑھا اور کمزور سا آدمی تھا :

"فرمائیے جناب ! آپ کو کس سے ملنا ہے ؟"

"جی اے راجہ صاحب سے —"

"میرا ہی نام ہے — آپ — آپ کو مکان تو کرائے پر نہیں چاہیے —"

"جی نہیں — مجھے کچھ اور کام ہے ، آپ کے گھر میں فون بھی لگا ہوا ہے نا —"

"جی ہاں بالکل — لگا ہوا ہے ، میں سمجھ گیا ، آپ ضرور مکان کرائے پر لینا چاہتے ہیں ، لیکن ظاہر نہیں کر رہے ، یقین کیجیے — اس سے بہتر مکان آپ کو نہیں ملے گا۔"

"دروازے پر کھڑے رہ کر تو میں کوئی بات بھی نہیں کر سکتا ، پہلے مجھے سارا مکان دکھائیں۔"

"ضرور ضرور — آیئے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

اب وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ بوڑھا بدستور بول رہا تھا — اور ساتھ میں انہیں ایک ایک کمرہ بھی دکھا رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور بولے:

"کیا گھر میں اور کوئی نہیں ہے۔"

"نہیں! میرے گھر والے یہاں رہنا پسند نہیں کرتے۔" اس نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"ان کا دماغ چل گیا ہے — وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے — اس مکان میں کچھ ہے۔"

"کچھ ہے — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آسیب واسیب، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، آسیب تو کیا، آسیب کا بچّہ بھی یہاں نہیں ہے۔ اب دیکھیے نا، میں اکیلا یہاں رات گزارتا ہوں، اگر مکان آسیب زدہ ہوتا تو کیا وہ مجھے کچھ نہ کہتے، لیکن میرے گھر والے چونکہ وہم کا شکار ہو چکے ہیں، اس لیے کسی طرح بھی یہاں رہنے پر آمادہ نہیں، تنگ آ کر میں نے انہیں ایک مکان یہاں سے کچھ دور کرائے پر لے دیا ہے اور خود یہاں اس لیے رہتا ہوں کہ کبھی تو کوئی کرایہ دار ملے گا۔"

"ہوں! آخر آپ کے گھر والوں کو کیوں کر یقین ہو گیا کہ مکان

آسیب زدہ ہو گیا ہے۔"

"پتا نہیں۔ ان کا کہنا ہے، مکان میں رات کو عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔ جیسے کوئی مسلسل رو رہا ہو — چیخ رہا ہو، گا رہا ہو، لیکن آپ یقین کیجیے کہ میں نے آج تک ایک بھی آواز نہیں سُنی۔ بس یہ تو میرے گھر والوں کا وہم ہے۔"

"ابھی تک فون نظر نہیں آیا۔"

"وہ میرے کمرے میں لگا ہوا ہے — سب سے آخر میں آپ کو وہی کمرہ دکھاؤں گا، لیکن آپ فون کے لیے کیوں فکر مند ہیں۔"

"میں دراصل فون کے چکر میں ہی یہاں آیا ہوں۔"

"کیا مطلب۔" بوڑھے نے بھنّا کر کہا: "کیا آپ صرف فون کرنے کے چکر میں ہیں۔"

"نہیں — کرنے کے چکر میں نہیں، اس فون کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"اوہ!" آپ کا تعلق ٹیلیفون کے ادارے سے ہے، لیکن میں نے تو فون کی خرابی کی کوئی شکایت نہیں لکھوائی۔"

"آپ غلط سمجھے چلیے — آپ مکان دکھائیے۔"

آخر ایک ایک کر کے وہ آخری کمرے میں آئے:

"یہ ہے میرا کمرہ اور وہ رہا فون — اب تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔"

"جی ہاں ہو گیا — کچھ دیر پہلے یہ فون استعمال کیا گیا ہے۔"

"یہ فون — یہ فون تو شاید ایک ماہ سے استعمال نہیں کیا گیا۔" اس نے دُکھ بھری آواز میں کہا۔

"اوہو اچھا۔" انھوں نے کہا اور فون پر جھک گئے — وہ واقعی گرد آلود نظر آیا — ریسیور پر بھی انگلیوں کے نشانات کے آثار نظر نہ آئے — جب کئی منٹ تک جھکے رہنے کے بعد بھی وہ سیدھے نہ ہوئے تو جی اے راجر تنگ آگیا اور بولا:

"اس فون میں آپ کی کوئی چیز گم تو نہیں ہو گئی جناب۔"

"نن — نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا اور پھر سیدھے ہو گئے:

"ایک منٹ ٹھہریے — میرے کچھ ساتھی باہر موجود ہیں، ذرا میں انھیں بھی بلا لوں۔"

"ضرور ضرور۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید دروازے پر آئے اور منہ سے آواز نکالنے کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کیا — فوراً ہی محمد حسین آزاد چند سادہ لباس والوں کے ساتھ دروازے پر پہنچ گیا:

"آؤ بھئی۔" انھوں نے کہا اور انھیں لے کر بوڑھے کے پاس آئے —

"آپ لوگوں کے ارادے تو نیک ہیں۔" اب بوڑھا ڈر گیا۔

"ہاں! بالکل نیک ہیں — یہ میرا کارڈ ملاحظہ فرمائیں۔" انھوں نے کارڈ بوڑھے کے سامنے کر دیا — کارڈ پر نظر ڈالتے ہی بوڑھے کا رنگ اُڑ گیا:

"کیا مطلب — کیا میں نے کوئی جُرم کیا ہے۔"

"اس نمبر سے ابھی تھوڑی دیر پہلے کسی ایم ہارڈنگ نامی آدمی نے فون کیا تھا — کیا تم ہی ایم ہارڈنگ ہو۔"

"ایم ہارڈنگ — ارے باپ رے — بھلا میں کیوں ہونے لگا، ایم ہارڈنگ۔" بوڑھا گھبرا گیا۔

اب انسپکٹر جمشید نے اسے ساری تفصیل سُنائی اور بولے:

"ہاں! اب بتاؤ — یہاں سے فون کس نے کیا تھا۔"

"یہ ساری باتیں ہی میرے لیے عجیب ترین ہیں جناب — یہ میرا آبائی مکان ہے، ہم ایک زمانے سے اس میں رہ رہے ہیں — میرے علاوہ اس فون کو کون استعمال کر سکتا ہے، لیکن آپ اس پورے گھر کی تلاشی لے لیجیے — اگر یہاں سے میرے علاوہ کوئی اور نکل آئے تو میں مُجرم۔"

"ہوں! تلاشی تو خیر ہمیں لینا ہی پڑے گی — چلو محمد حسین تلاشی لو — دیکھو — کوئی حصّہ رہ نہ جائے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور اپنے ماتحتوں اور بوڑھے کو لے کر کمرے سے نکل گیا — ایسے میں انسپکٹر جمشید کو اکرام کا خیال آیا —

انھوں نے ہاتھ پر رومال لپیٹ کر ریسیور اٹھایا اور ڈان الیکٹرک کمپنی
کے نمبر ڈائل کیے، دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی، لیکن ریسیور کسی
نے بھی نہ اُٹھایا۔ انھیں بہت حیرت ہوئی:

"حیرت ہے، اکرام کہاں چلا گیا، اسے تو یہاں ہونا چاہیے تھا"
وہ بڑبڑائے۔

تھوڑی دیر پہلے جی اے راجہ کا سُراغ ملنے پر وہ خوش ہو
گئے تھے، لیکن اب ان کی خوشی دھری کی دھری رہ گئی، کیونکہ
یہاں خان رحمان کے ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ پانچ
منٹ بعد محمد حسین آ دھمکا:

"تلاشی لی جا چکی ہے سر، لیکن ان بڑے میاں کے سوا یہاں
کوئی نہیں ہے۔"

"ہوں - اچھا! ایک نظر میں بھی دیکھ لوں - تم لوگ یہیں ٹھہرو۔"
انھوں نے کہا اور جلدی جلدی مکان کا جائزہ لینا شروع کیا، لیکن
کہیں بھی کوئی سراغ نہ ملا - آخر وہ مایوس ہو کر لوٹے اور فون والے
کمرے میں آئے:

"نہیں بھئی - یہاں کوئی نہیں ہے - آؤ چلیں۔" یہ کہہ کر وہ
بوڑھے کی طرف مڑے:

"اُمید ہے - معاف فرمائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں جناب، قانون کی مدد کرنا تو ہر شہری کا

فرض ہے - کاش آپ میرا مکان کرائے پر -" اس سے آگے وہ کچھ
نہ کہہ سکا - انسپکٹر جمشید چلتے چلتے رُک گئے اور اس کی طرف مڑتے
ہوئے بولے:

"آپ کے گھر والوں کو واقعی وہم ہو گیا ہے - یہاں کچھ بھی
نہیں ہے - انھیں سمجھائیے - ورنہ اتنا مضبوط مکان بے کار ہو جائے
گا۔"

"جی ہاں - یہی تو میں کہتا ہوں۔" بوڑھا جلدی سے بولا۔

وہ محمد حسین کو ساتھ لے کر باہر نکلے - اور پھر ان کے اُٹھتے
قدم رُک گئے - آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، انھوں نے مُڑ کر
دیکھا - بوڑھا ان کے پیچھے چلا آ رہا تھا، انھیں رُکتے دیکھ کر
وہ بھی رُک گیا اور حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا:

"کیا ہوا جناب؟"

"مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔"

"کیا مطلب - کیسا خیال؟" اس نے جلدی سے کہا۔

"آئیے - میں ایک چیز دیکھنا بھول گیا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مُڑے اور پھر اندر داخل ہو گئے -
محمد حسین اور اس کے ساتھی تو حیران تھے ہی، بوڑھا ان سے بھی
زیادہ حیران نظر آ رہا تھا - وہ ان کے پیچھے اندر داخل ہوئے - انھوں
نے دیکھا، انسپکٹر جمشید مکان کی دیواروں اور چھتوں کو بغور دیکھ رہے

تھے۔

اور اس وقت وہ فون والے کمرے میں کھڑے تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ آخر انھوں نے تھکی تھکی آواز میں کہا:

"آؤ محمد حسین چلیں ۔ میں غلط سمجھا تھا۔"

"جی کیا مطلب ۔ غلط سمجھے تھے۔"

"ہاں! غلط سمجھا تھا۔" انھوں نے کہا اور باہر کی طرف چل پڑے۔

انکل کا نام

انھوں نے دیکھا، وہ ایک اشتہار تھا۔ ڈان کمپنی کی طرف سے دیا گیا اشتہار۔ اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"حالیہ بارشوں نے
شہر کے اکثر مکانات کی الیکٹرک وائرنگ خراب کر دی ہے، نئی وائرنگ کے لیے ہماری خدمات حاصل کریں اور خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں ۔ جدید وائرنگ کا شہر بھر میں واحد ادارہ۔"

اشتہار پڑھ کر انھوں نے فرزانہ کی طرف دیکھا:

"یہ تو خیر ٹھیک ہے کہ یہ اشتہار ڈان الیکٹرک کمپنی کی طرف سے ہے اور ہے بھی بجلی کی وائرنگ کے سلسلے میں، ڈان کمپنی کے نمائندے نے وائرنگ کرنے کے بہانے انکل کے گھر کا اندر سے جائزہ لیا تھا، اسی طرح اس مکان کا بھی جائزہ لیا گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ تم اس سے کیا نتیجہ نکالتی ہو۔"

"یہ کہ دونوں واقعات کا تعلق آپس میں ضرور ہے ۔ یا یہ کہہ لو کہ انکل اور سرنواز ملک صاحب کو ایک ہی گروہ نے اغوا کیا ہے ۔"

"ہوں ! بات دل کو لگتی ہے ۔ پھر ۔ اب کیا کیا جائے ۔" فاروق بڑبڑایا ۔

"ایک اور عجیب بات ۔ ان دو واقعات کے علاوہ اس قسم کا کوئی تیسرا واقعہ شہر میں نہیں ہوا ۔ مطلب یہ کہ ایم ہارڈنگ نے کسی اور سے اپنا عجیب مطالبہ نہیں کیا ۔" محمود نے جلدی سے کہا ۔

"کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اس کا مطالبہ کیا ہے ۔"

"اب ہمیں یہاں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے ۔ آؤ واپس چلیں، ابا جان لوٹ آئے ہوں گے ۔ یہ اطلاعات ان کے لیے ضرور اہم ثابت ہوں گی ۔"

"ابا جان ڈان الیکٹرک کمپنی کی طرف گئے تھے ، کیوں نا انکل کے گھر جانے کی بجائے ڈان کمپنی کی طرف چلیں ، وہیں ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی ۔"

"ہاں ٹھیک ہے ۔"

وہ باہر نکل کر ڈان کمپنی کی طرف روانہ ہوئے ۔ دفتر کے سامنے پہنچے ہی تھے کہ انھوں نے اکرام کو پریشانی کے عالم میں سڑک کے کنارے کھڑے پایا :

"ارے ۔ یہاں تو انکل اکرام موجود ہیں ۔ اور کمپنی کے دروازے

پر تالا لگا ہوا ہے ۔ حیرت ہے ۔" محمود کے منہ سے نکلا ۔

اکرام کے نزدیک پہنچ کر انھوں نے موٹر سائیکلیں روک دیں، اکرام چونک کر ان کی طرف مڑا :

"اوہو آپ ہیں ۔ اچھا ہوا ہے ، آپ آگئے ، میں بہت پریشان تھا ۔"

"پریشان ہوں آپ کے دشمن انکل ۔ بات کیا ہے ؟"

"دشمن انکل ۔ کیا مطلب ۔" اکرام نے بوکھلا کر کہا ۔

"دشمن آپ کو نہیں ۔ دشمن کو کہا ہے انکل ، فکر نہ کریں اور یہ بتائیں ، پریشان کیوں ہیں ۔"

"انسپکٹر صاحب نے ڈان کمپنی کی تلاشی لینے کا حکم دیا تھا ، لیکن میں تلاشی کس طرح لوں ۔ دروازے پر تالا لگا ہوا ہے اور اندر کوئی بھی نہیں ۔"

"تو پھر کیا ہوا ۔ تالا توڑ دیں ۔" محمود بولا ۔

"کیا کہا ۔ تالا توڑ دوں ۔ دیکھ لیں ۔ کہیں کیس نہ بن جائے ۔"

"اب کیس بننے کا امکان نہیں رہا ۔" فاروق مسکرایا ۔

"کیا مطلب ۔ امکان کیسے نہیں رہا ۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا ۔

"اس طرح کہ ہمیں یقین ہو چکا ہے ، اس معاملے میں ڈان کمپنی کا ہی ہاتھ ہے ۔" محمود نے کہا ۔

"ذرا میں بھی تو سنوں ۔ کس طرح یقین ہو چکا ہے۔"

محمود نے اپنی تحقیقات کے بارے میں بتا دیا:

"ہوں! تب تو تالا توڑنا ہی ہوگا۔"

اور اکرام کے اشارے پر اس کے ماتحتوں نے تالا توڑ دیا، اب وہ اندر داخل ہوئے۔ پہلے کمرے میں صرف ایک میز اور چند کرسیاں نظر آئیں۔ اب وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھے، اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کمرہ بالکل خالی پڑا تھا۔ اس میں کسی قسم کا سامان نہیں تھا۔

"یہ کیا بھئی۔ یہاں تو بجلی کا کوئی سامان بھی نہیں ہے۔"

"کسی اور کمرے میں ہوگا۔ آئیے۔ آگے۔"

لیکن پانچ کمروں کی اس عمارت میں انہیں بجلی کے سامان کا نام و نشان بھی نظر نہیں آیا۔

"یہ کس قسم کا دفتر ہے بھئی۔" فرزانہ بوکھلا اٹھی۔

"فرضی دفتر۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"فرضی دفتر۔ اوہ۔ یہ تو۔ یہ تو کسی ناول ۔"

"بس خاموش رہو۔ یہ نہ بھولو کہ انکل خان رحمان کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ واقعی۔ مجھے افسوس ہے۔" فاروق سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"یہ واقعی فرضی دفتر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا۔"

اکرام بولا۔

"تب تو یہ دفتر صرف انکل خان رحمان اور سرنواز ملک صاحب کو اغوا کرنے کے لیے بنایا گیا تھا، اسی لیے اس میں کوئی سامان نہیں ہے۔" محمود بولا۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔ یہ ایک بالکل نیا انکشاف تھا۔

"ہمیں فوراً انکل کے گھر پہنچنا چاہیے۔ اب ابا جان سے ملاقات ہونا ضروری ہے۔" محمود نے کہا۔

اور وہ سب وہاں سے روانہ ہو کر خان رحمان کے ہاں پہنچے:

"اوہو۔ ابا جان تو یہاں بھی نہیں ہیں، ہاں پروفیسر انکل اور امی جان ضرور موجود ہیں۔"

"انہیں وہ گھر معلوم ہو گیا ہے جس میں خان رحمان کو رکھا گیا ہے۔"

"ارے!" وہ اچھل پڑے، پھر فرزانہ نے کہا۔

"جلدی بتائیے۔ ہم بھی وہاں جائیں گے۔"

"جی اے راجہ، چوگان نگر کا مکان نمبر ۱۰۴۔"

"آؤ چلیں۔" فرزانہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ محمود اور فاروق نے بھی اٹھنے میں دیر نہ لگائی۔

لیکن اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ ایک ساتھ چلا اٹھے:

" یہ ابّا جان ہیں۔"

" اور اس کا مطلب ہے، ہمارے ابا جان آ گئے۔" حامد نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔

پھر کیا تھا، سب کے سب دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ اتنے میں ظہور دروازہ کھول چکا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ وہاں صرف انسپکٹر جمشید اور محمد حسین آزاد کھڑے تھے۔

" انکل۔ آپ۔ آپ ابا جان کو ساتھ نہیں لائے۔" حامد کی سرسراتی آواز گونجی۔

انسپکٹر جمشید کی نظریں جھک گئیں۔ پھر انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

" فکر نہ کرو بیٹے۔ ہم کامیابی کے بہت نزدیک پہنچ گئے ہیں، بس ذرا محمود، فاروق اور فرزانہ سے تبادلۂ خیالات کرنا ہے۔ آؤ بھئی تم لوگ۔"

وہ محمود، فاروق، فرزانہ اور اکرام کو لے کر ایک کمرے میں آ گئے۔ کمرے کا دروازہ بند کر لیا گیا:

" پہلے تم سناؤ کیا کر آئے ہو؟"

محمود نے پوری تفصیل سنا دی۔ انسپکٹر جمشید اچھل پڑے:

" فرضی دفتر۔ تب تو ہمیں مسٹر دانیال کو گرفتار کر لینا چاہیے۔"

" مسٹر دانیال کون؟"

" ڈان کمپنی کا مالک۔ میں اس سے مل چکا ہوں۔ ہوٹل ڈی لکس کے کمرہ نمبر ۹ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ آؤ جلدی کرو۔ میں اپنی کہانی تمھیں راستے میں سنا دوں گا۔"

اور وہ افراتفری کے عالم میں ہوٹل ڈی لکس کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں انسپکٹر جمشید نے واقعات سنا دیے:

" تو پھر۔ جی اے راجہ کے مکان میں آپ کو کیا خاص بات نظر آئی۔" فرزانہ بے چین ہو اٹھی۔

" ابھی ٹھہرو۔ اس مکان کی نگرانی میرے کچھ خاص ماتحت کر رہے ہیں۔ پہلے ہم مسٹر دانیال سے نبٹ لیں۔"

ہوٹل ڈی لکس کے سامنے وہ جونہی رکے، ایک سادہ لباس والا تیر کی طرح ان کی طرف آیا:

" ہاں بھئی۔ کیا خبر ہے۔"

" مسٹر دانیال ابھی تک اپنے کمرے میں موجود ہیں وہ کمرے سے نکلے ہی نہیں۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا اور پھر وہ ہوٹل میں داخل ہو گئے، کمرہ نمبر ۹ پر دستک دی گئی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا اور اسی غیر ملکی کی شکل نظر آئی:

" یس!" اس نے منہ بنا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوگئے اور سرد آواز میں بولے:

"مسٹر دانیال - ہاتھ اوپر اٹھا دو - ہم تمہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب - گرفتار کرنے - یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"آپ نے ایک فرضی کمپنی کھولی اور پھر اس کے ذریعے سے دو آدمیوں کو اغوا کیا جو شہر کے مشہور آدمی ہیں اور ان سے کوئی بہت بڑا مطالبہ کیا۔"

"یہ - یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" دانیال نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں - کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"تو آپ واقعی مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے - جھوٹ موٹ۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"ٹھیک ہے - کریں گرفتار - لیکن معاملہ کچھ اور ہے۔"

"معاملہ کچھ اور ہے - کیا مطلب؟"

"ایک نا معلوم آدمی نے مجھے مسٹر دانیال کے نام سے اس ہوٹل کے کمرے میں ٹھہرنے کی ہدایت کی تھی - اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے ملنے آئے تو میں اپنے آپ کو ڈان کمپنی کا

مالک بتاؤں - یہ بھی کہہ دوں کہ دوسرے ملک میں رہتا ہوں - اور مہینے میں ایک دو بار کمپنی کے معاملات کا جائزہ لینے آتا ہوں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید تلملا کر بولے۔

"وہی جو حقیقت ہے - میں ایک غیر ملکی بے روزگار ہوں، روزگار کی تلاش میں ہوں - اس نا معلوم آدمی نے مجھے اس کام کے ختم ہونے پر پانچ ہزار ڈالر دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"اور تم نے اس کے وعدے پر یقین کر لیا۔"

"بے روزگار آدمی اور کر ہی کیا سکتا ہے۔"

"ہوں - بات تو ٹھیک ہے - بشرطیکہ یہ سچ بول رہا ہو - خیر فی الحال تو اسے حوالات میں رکھنا ہی ہوگا - اگر واقعی اس کیس سے اس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہوا تو چھوڑ دیں گے - اکرام اسے حوالات میں بھیج دو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور اس کے اشارے پر دو سادہ لباس والے اس کی طرف بڑھے اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کمپنی نے صرف دو آدمیوں کو کیوں اغوا کیا ہے - خان رحمان اور سرنواز ملک کو۔"

"کہیں ایسا تو نہیں۔" فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"بات کو درمیان میں چھوڑنا تمہاری بہت پرانی عادت ہو

گئی ہے، اب اسے ختم کر دو۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

" اچھا! تمھارے مشورے پر عمل کروں گی۔"

" تم کیا کہہ رہی تھیں۔" انسپکٹر جمشید جھنجلا اٹھے۔

یہ کہ۔کہیں ایسا تو نہیں کہ انکل خان رحمان اور سرنواز ملک صاحب کا آپس میں کوئی تعلق ہو۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

" اس کا امکان ہے۔آؤ جلدی کرو۔"

وُہ تیز رفتاری سے چلتے سرنواز ملک کے گھر آئے۔ان کے بھائی نے حیرت زدہ انداز میں ان کا استقبال کیا:

" معاف کیجیے گا، ہم آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔"

" کوئی بات نہیں جناب۔ہم تو پہلے ہی پریشان ہیں۔" اس نے اُداس انداز میں کہا۔

" فکر نہ کریں۔ہم بہت جلد سرنواز ملک صاحب کو تلاش کر لیں گے۔آپ تو صرف یہ بتائیے کہ خان رحمان کو جانتے ہیں۔"

" خان رحمان۔جی ہاں! یہ لوگ بتا چکے ہیں۔"

" شکریہ۔کیا ان کا کوئی تعلق آپ کے بھائی سے تو نہیں۔"

" کم از کم میرے علم میں تو نہیں۔" بیتاب ملک نے کہا۔

" شکریہ۔تب تو ہمیں ان کے دفتر کو دیکھنا ہوگا۔شاید کاغذات میں کہیں ان کا ذکر مل جائے۔"

" لیکن جناب یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

" ہاں! ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ کام کرنا ہوگا۔"

" بہت اچھا۔چلیے پھر۔میں آپ کو دفتر دکھا دوں۔"

وُہ ان کے ساتھ سرنواز ملک کے دفتر پہنچے، دفتر کھولا گیا۔ پہلے انھوں نے میز پر رکھی چیزوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ فرزانہ کے ہاتھ ایک ڈائری لگ گئی۔اس نے گذشتہ مہینے کے صفحات دیکھنا شروع کیے۔انسپکٹر جمشید نے فائلوں والی الماری کو دیکھنا شروع کیا۔فاروق نے روزنامچہ سنبھال لیا اور محمود پورے دفتر کا جائزہ لینے لگا۔ایسے میں فرزانہ چلّا اُٹھی:

" ابّا جان! یہ رہا انکل کا نام۔"

سب کے سب اس کی طرف اُلٹ پڑے اور ڈائری کی طرف جھپٹے۔انھوں نے دیکھا۔ایک ماہ پہلے کی تاریخ پر خان رحمان کا نام صاف لفظوں میں لکھا ہوا تھا۔انھوں نے جلدی جلدی ڈائری کی تحریر پڑھنا شروع کی، لکھا تھا:

" آج میرے اور مسٹر خان رحمان کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔اور خان رحمان نے مقرر کردہ پیشگی رقم ادا کر دی ہے۔باقی تمام رقم موقعے پر وصول کی جائے گی۔"

"فارُوق ـ روزنامچہ دینا۔" انسپکٹر جمشید بے چین ہو اُٹھے ـــ
اسی وقت فارُوق بولا :
"میں دیکھ چکا ہوں ابا جان ـ انکل خان رحمان نے سرفراز
ملک صاحب کو پچیس لاکھ روپے ادا کیے ہیں"
"کیا !!!" ان کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا ـــ

یہ چکر کیا ہے

"لاؤ فارُوق ! روزنامچہ مجھے دو۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔
فارُوق نے روزنامچہ ان کے آگے کر دیا ، انھوں نے دیکھا ، روزنامچے
میں صرف اتنا لکھا تھا ـ خان رحمان پیشگی پچیس لاکھ روپے ـــ
"اُف خُدا ! یہ کیا چکر ہے ، خان رحمان اور سرفراز ملک
صاحب کے درمیان کس چیز کا سودا طے ہوا ہے ـ اور ان دونوں کو
اغوا آخر کس نے کیا ہے۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی ۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان جو سودا ہوا
ہے ، وُہ کسی تیسرے کو پسند نہیں ـ اسی لیے اس نے انھیں اغوا
کرنے کا پروگرام بنایا ـ تاکہ انھیں مجبور کر دے کہ وُہ سودا منسوخ
کر دیں۔" محمود نے بڑ بڑانے کے انداز میں کہا ۔
"لیکن ، اگر بات صرف یہ ہوتی تو پھر خان رحمان مجرم کا
مطالبہ ضرور مان لیتے ـ وُہ دولت کی خاطر اپنی زندگی عذاب میں
ڈالنا پسند نہیں کرتے۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

" تب پھر آپ ہی بتائیے - کیا بات ہو سکتی ہے۔"

" بات اس وقت تک کس طرح سمجھ میں آ سکتی ہے، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ سودا کس چیز کا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر بیتاب ملک کی طرف مڑے:

" کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

" جی نہیں! مجھے بھائی جان کے کاروباری معاملات کا کچھ پتا نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

" ان دنوں وہ کوئی بڑی چیز فروخت کرنے والے تھے، یہ بھی نہیں معلوم۔"

" جی نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

" ان کا کاروبار کیا کچھ ہے؟"

" بڑی بڑی چیزیں خریدنا اور فروخت کرنا - مثلاً بڑی بڑی عمارتیں، زمینیں، جائدادیں، کارخانے، ملیں اور فیکٹریاں، اس قسم کی چیزیں خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں۔"

" تب تو خان رحمان نے ضرور ان سے اسی قسم کی کوئی چیز خریدی ہو گی - اور وہی چیز سر نواز ملک سے کوئی اور شخص خریدنا چاہتا ہو گا - یعنی ایم ہارڈنگ - پہلے تو ایم ہارڈنگ نے مسٹر نواز سے بات کی، لیکن وہ نہ مانے، پھر اس نے خان رحمان سے بات کی، وہ بھی نہ مانے - آخر اس نے ان

دونوں کو اغوا کر لیا، اغوا کے لیے پروگرام وہ پہلے ہی ترتیب دے چکا تھا - اس کے لیے اس نے ایک فرضی الیکٹرک کمپنی قائم کی - اس کے اشتہارات اخبارات میں دیے، اتفاق کی بات کہ سر نواز ملک نے بھی اسے بلا لیا اور خان رحمان نے بھی - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ڈان کمپنی کی طرف سے کوئی نمائندہ ان دونوں سے ملا ہو اور اس کی باتوں سے متاثر ہو کر انھوں نے وائرنگ کرانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔"

" اوہ - بالکل - ضرور یہی بات ہے - ایم ہارڈنگ سے ملاقات دونوں کی ڈائریوں سے ثابت ہے - بھئی واہ۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی -

" سوال یہ ہے کہ دونوں کے دونوں اس سودے کو ختم کرنے سے انکار کیوں کر رہے ہیں - اور دوسرے یہ کہ ان لوگوں کو دونوں گھروں پر فون کرنے کی کیا ضرورت تھی - اس کا مطلب تو صرف ان دونوں کو مجبور کر کے ہی حل ہو سکتا ہے -" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا -

" اس کی ایک وجہ میری سمجھ میں آتی ہے - اور وہ یہ کہ فون پر اس نے ان دونوں کی آواز گھر کے افراد کو سنا دی - گویا انھیں یہ احساس دلا دیا کہ ان کے گھر کے افراد کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ انھیں اغوا کر لیا گیا ہے اور وہ سخت مصیبت میں

بھی ہیں، تاکہ دونوں بُری طرح بے چین ہو جائیں۔"

"سخت مصیبت میں - کیا مطلب؟"

"اوہ! یہ بات میرے مُنہ سے نکل گئی - خیر - اب کیا ہو سکتا ہے - دراصل وہ نامعلوم شخص ان پر سختی کر رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہوں! اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"اور اسی لیے اس نے میرے ذریعے سے خان رحمان کو کہلوایا تھا کہ وہ ان کا مطالبہ مان لیں۔"

"آخر ہم انھیں کہاں تلاش کریں۔"

"اس سلسلے میں سب سے اہم سُراغ ایک ہاتھ لگا تھا - جی اے راجہ کے مکان والا، لیکن میں اس مکان کو اچھی طرح دیکھ چکا ہوں - خان رحمان اس میں نہیں ہیں۔" انھوں نے کہا -

"کیا خبر ابا جان - اس مکان میں کوئی تہہ خانہ ہو۔" فرزانہ بول اُٹھی -

"میں نے اس پہلو کو بھی نظر میں رکھا تھا، لیکن مجھے کہیں کسی تہہ خانے کے امکانات نظر نہیں آئے۔"

"تب پھر محمد حسین آزاد صاحب سے نمبر نوٹ کرنے میں غلطی ہوئی ہو گی۔"

"اوہ ہاں! اس پہلو کی طرف میرا دھیان نہیں گیا - ٹھہرو - میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

انھوں نے دفتر کے نمبر ڈائل کیے، کیونکہ محمد حسین آزاد کو وہ دفتر بھیج چکے تھے:

"ہیلو آزاد - بھئی تم نے فون نمبر ۹۴۲۲۱ تو پوری احتیاط سے نوٹ کیا تھا نا۔"

"جی ہاں جناب - نمبر بالکل یہی تھا۔"

"مہربانی فرما کر ایکسچینج سے پھر معلوم کر لو - شاید غلطی ہو گئی ہو۔"

"جی بہتر! ابھی معلوم کر کے آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

انسپکٹر جمشید بے تابانہ انتظار کرتے رہے - دو منٹ بعد محمد حسین آزاد کی آواز سُنائی دی:

"ہیلو سر - نمبر بالکل یہی ہے - غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا:

"محمود - یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نمبر یہی ہو، لیکن اس مکان میں خان رحمان نہ ہوں۔"

"ہمیں اس مکان کا ایک بار پھر جائزہ لینا چاہیے ابا جان،

ایک بار پھر۔" فاروق نے پُرجوش انداز میں کہا۔

" تو پھر چلو۔ یہی سہی۔ ویسے اس بار کا مجرم ہے بہت چالاک، اس نے ہر بات کی منصوبہ بندی پہلے سے کر رکھی تھی۔"

"کوئی بات نہیں ابا جان۔ دیکھا جائے گا وہ کتنا چالاک ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

اور وُہ سب ایک بار پھر جی اے راجہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ چوکان نگر کی حدود میں داخل ہوتے ہی ایک سادہ لباس والا ان کی طرف لپکا:

" ہاں بھئی۔ کیا رپورٹ ہے۔" انسپکٹر جمشید جیپ سے اُترتے ہوئے بولے۔

" حالات جُوں کے تُوں ہیں جناب۔ بوڑھا آدمی ایک بار گھر سے باہر گیا تھا۔ اس نے بازار سے کچھ چیزیں خریدیں اور پھر واپس آ گیا۔"

" اس سے کوئی ملنے تو نہیں آیا؟" انھوں نے پوچھا۔

" جی نہیں۔" وُہ بولا۔

" ہوں شکریہ۔"

انھوں نے جیپیں وہیں چھوڑ دیں اور پیدل چلتے جی اے راجہ کے گھر تک پہنچے، محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور جی اے راجہ کی شکل دکھائی دی۔ اتنے

سارے آدمیوں کو دیکھ کر وُہ کچھ خوف زدہ سا ہو گیا۔

" خیر تو ہے جناب۔ آپ پھر آ گئے۔ وُہ بھی اتنے لوگوں کو لے کر۔"

" ہاں راجہ صاحب۔ معاف کیجیے۔ ہمیں اس مکان کی ایک بار پھر تلاشی لینا ہو گی۔"

" اوہ۔ تو آپ کا شک ابھی تک دُور نہیں ہوا۔"

" نہیں راجہ صاحب۔ ہمارے ایکسچینج کی رپورٹ آپ کا ہی فون نمبر بتاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے۔"

" ہو سکتا ہے، ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔"

" ہم اطمینان کر چکے ہیں۔"

"بہت بہتر۔ اگر یہ بات ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں، آپ مکان کو ہر طرح دیکھ لیں، بھلا میرا اس اغوا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

" ہاں! بات تو یہی ہے، لیکن ہم بھی مجبور ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وُہ سب اندر داخل ہوئے۔ اور اپنا کام شروع کر دیا۔ انسپکٹر جمشید ایک ایک چیز پہلے ہی دیکھ چکے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے اور اپنی کوشش جاری رکھی۔ ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ اپنی پوری ذہنی طاقت

صرف کر رہے تھے۔ ایسے میں فرزانہ کو ایک خیال آیا:

"ابا جان۔ آپ نے مکان کی چھت کا اوپر سے جائزہ لیا تھا؟"

"چھت کا۔ اوہ نہیں۔ چھت کی طرف میرا دھیان نہیں گیا، میں نے سوچا۔ اغوا کرنے والے اغوا کنندہ کو چھت پر تو رکھ ہی نہیں سکتے۔"

"ہوں! بات ٹھیک ہے، لیکن چھت دیکھ لینے میں حرج بھی تو کوئی نہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ آؤ چھت دیکھیں۔"

وہ اوپر پہنچے۔ چھت پر کچھ بھی نہیں تھا۔ بس چار دیواری ضرور کی گئی تھی۔ کوئی کمرہ یا برساتی وغیرہ نہیں تھی:

"لو بھئی۔ دیکھ لو چھت۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

محمود نے چار دیواری کے دائیں طرف نظر ڈالی، ادھر بھی ایک مکان کی چھت تھی۔ بائیں طرف دیکھا تو وہاں بھی ایک لمبی چوڑی چھت تھی ۔۔۔

"کوئی فائدہ نہیں بھئی۔ کوئی فائدہ نہیں آؤ نیچے چلیں۔ صرف تہ خانے کے امکان پر غور کرو۔ اگر اس مکان میں کوئی تہ خانہ موجود ہے۔ تب خان رحمان اور سرفراز ملک وہیں ہیں۔"

وہ نیچے آئے اور تہ خانے کی تلاش شروع کر دی۔ اس کام میں سب کے سب آدھا گھنٹہ تک جتے رہے، آخر تھک ہار کر ایک

جگہ جمع ہوئے:

"اس مکان میں تہ خانہ نہیں ہے ابا جان۔"

"ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔ آؤ۔ مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔ اکرام تم یہیں ٹھہرو۔"

"جی بہتر!" اس نے سمجھ جانے والے انداز میں کہا۔ مطلب یہ تھا کہ جی اے راجہ پر نظر رکھے ۔۔۔

وہ باقی ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے اور دائیں طرف والے دروازے پر دستک دی ۔۔۔

"اس کی کیا ضرورت ہے ابا جان؟"

"ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔"

جملہ مکمل نہیں کر پائے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کا آدمی نظر آیا:

"خیر تو ہے جناب۔ کیا آپ سیاسی لیڈر ہیں اور ووٹ مانگنے آئے ہیں۔"

"نہیں۔ ووٹ مانگنا شرافت نہیں۔ ووٹ وہ ہے جو لوگ خود بخود کسی کو دینے پر مجبور ہوں۔"

"تو پھر۔ اتنے بہت سے آدمی۔"

"ہم دراصل آپ کے مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"تلاشی کا مطلب تو جناب تلاشی ہی ہوتا ہے۔" فاروق نے
مسمسی صورت بنائی۔

"ہوں! کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے، لیکن آپ وردیوں
میں تو نہیں ہیں۔"

"ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ۔" اس نے گھبرا کر کہا۔ "لیکن آپ تلاشی کس لیے لینا
چاہتے ہیں؟"

"ہمارا خیال ہے۔ شہر کے دو بڑے آدمیوں کو اغوا کر کے
یہاں لایا گیا ہے۔"

"ارے باپ رے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے کانپ
کر کہا۔

"گھر میں اگر عورتیں ہیں تو انھیں پردہ کرا لیں۔ ہم پورے
مکان کی تلاشی لیں گے۔"

"و۔ وارنٹ تو ہوں گے آپ کے پاس۔"

"نہیں، لیکن وارنٹ لانے میں وقت ضائع ہوگا۔ اور
آپ کی پریشانی کے لمحات زیادہ ہو جائیں گے، اس لیے آپ
وارنٹ کے چکر میں نہ پڑیں۔ ویسے تو ہم وارنٹ کے بغیر بھی
تلاشی لے سکتے ہیں۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"وہ کیسے۔ کیا قانون کے محافظوں کو قانون کی پابندی

لازم نہیں۔"

"بالکل ہے، لیکن اس کے باوجود ہم تلاشی لے سکتے ہیں،
آپ پردہ کرا لیں۔"

"اچھی بات ہے۔ یہیں ٹھہریں، میں ابھی آتا ہوں۔" اس نے
کہا اور اندر چلا گیا۔

پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی:

"چلیے جناب! دیکھ لیجیے۔"

"بہت بہت شکریہ!" وہ بولے اور پھر سب اندر داخل ہو
گئے۔

"عورتیں ایک الگ کمرے میں ہیں، جب آپ سارا مکان دیکھ
چکیں گے تو انھیں دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا جائے گا، اس
طرح آپ اس کمرے کو بھی دیکھ سکیں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ ویسے کیا آپ کے گھر میں فون ہے؟"

"جی نہیں!" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

تلاشی شروع ہوئی۔ ایک ایک کر کے ہر کمرہ دیکھا گیا۔ مکان
کے دوسرے حصوں کی بھی تلاشی لی گئی، لیکن خان رحمان اور
سرنواز ملک کا کوئی سراغ نہ ملا۔

"محمود! تم ذرا دفتر فون کر کے ایک لیڈی کانسٹیبل بلا لو۔"

"جی۔ لیڈی کانسٹیبل۔ اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" محمود حیران

ہو کر بولا۔

"تم فون کر آؤ۔ضرورت بعد میں واضح ہو جائے گی۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"جی بہت بہتر۔"

اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔جب وہ فون کر کے لوٹا تو مالک مکان عورتوں والا کمرہ بھی خالی کرا چکا تھا اور اس کمرے کا بھی جائزہ لے لیا گیا تھا۔وہ اس مکان سے باہر نکل آئے۔اب وہ بائیں طرف والے مکان کے دروازے پر پہنچے:

"تلاشی بہت لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ادھر انکل کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہم کر ہی کیا سکتے ہیں فرزانہ۔جو بس میں ہے، کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ایک نوجوان آدمی نے دروازہ کھولا:

"جی فرمائیے۔" وہ بولا۔آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے۔

"آپ کے گھر کی تلاشی لینا ہے، ساتھ والے دو مکانات کی تلاشی ہم لے چکے ہیں۔دو معزز ترین آدمیوں کو اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے۔"

"اغوا کر کے۔اوہ۔لیکن ہمارا اس اغوا سے بھلا کیا تعلق۔" اس

نے گھبرا کر کہا۔

"ضروری نہیں کہ آپ کا کوئی تعلق ہو، لیکن ہمیں تلاشی تو لینا ہی ہو گی۔" فاروق بولا۔

"آخر کیوں۔آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ان حضرات کو اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے۔"

"اس کی وجہ ہے۔مہربانی فرما کر وقت ضائع نہ کریں اور ہمیں تلاشی لینے دیں۔ورنہ ہم زبردستی بھی تلاشی لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہتر۔چند منٹ ٹھہریے۔میں عورتوں کو ایک طرف کر دوں۔"

"ہاں ضرور۔" وہ بولے۔

نوجوان اندر چلا گیا اور پھر تین منٹ بعد لوٹا:

"چلیے جناب! لے لیجیے تلاشی۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

وہ اندر داخل ہوئے، مکان کی تلاشی لی گئی۔اور پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔مایوس ہو کر باہر نکلے تو ایک لیڈی کانسٹیبل کھڑی نظر آئی:

"اب ہمیں پھر جی اے راجہ کے گھر میں داخل ہونا ہے۔محمود تم دائیں طرف والے مکان کے دروازے پر موجود رہو گے، فاروق تم بائیں طرف والے مکان کے سامنے۔اور ہم

لوگ اندر جائیں گے۔"

"آخر آپ کے ذہن میں کیا ہے؟" فرزانہ اُلجھ کر بولی۔

"میرا خیال ہے۔ خان رحمان اور سرنواز ملک ان تینوں گھروں میں سے ایک میں ضرور ہیں۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔ پھر وہ اندر داخل ہوئے، اکرام جی اے راجہ کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا:

"ہاں بھئی اکرام۔ کیا رہا؟"

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ چونک اُٹھا۔

"ہماری عدم موجودگی میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟"

"جی نہیں۔ ہم دونوں جُوں کے تُوں بیٹھے رہے۔"

"ٹھیک ہے۔ فون کرکے کچھ اور لوگ بُلا لو، جلدی کرو۔"

"جی۔ کچھ اور لوگ۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"اکرام۔ وقت بہت نازک ہے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"اوکے سر!" اس نے بوکھلا کر کہا اور سادہ لباس والوں کے لیے فون کرنے لگا۔

آدھ گھنٹے بعد وہاں دس آدمی اور پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے اب تین پارٹیاں ترتیب دیں۔ اور بولے:

"تینوں پارٹیاں ایک وقت میں ان تینوں مکانات کی تلاشی

لیں گی۔ اور تینوں مکانات کی چھتوں پر ایک ایک آدمی موجود رہے گا۔ مطلب یہ کہ چھت والے آدمی چھت پر ہی رہیں گے، وہ اِدھر اُدھر نہیں ہلیں گے۔"

"جی بہتر!" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

اس پروگرام پر عمل شروع ہوا۔ ایک ساتھ تینوں دروازوں پر دستک دی گئی۔ ایک طرف تو جی اے راجہ باہر نکلا، دوسری طرف وہ ادھیڑ عمر آدمی اور تیسری طرف سے نوجوان۔ انھوں نے حیران ہو کر ان سب پر نظریں ڈالیں، جی اے راجہ نے چلّا کر کہا:

"آخر آپ لوگ ہمیں کیوں پریشان کر رہے ہیں؟"

"بس۔ آخری بار پریشان کریں گے اور پھر یہاں سے چلے جائیں گے، پھر ادھر کا رُخ بھی نہیں کریں گے۔"

"اب کیا ہے؟" نوجوان بولا۔

"ایک بار پھر تلاشی لیں گے۔"

"لیکن کیوں۔ ابھی ابھی تو آپ لوگ تلاشی لے چکے ہیں۔"

"اس مرتبہ تینوں گھروں کی تلاشی ایک ساتھ شروع ہو گی۔"

"کیا!!!" تینوں ایک ساتھ چلّا اُٹھے۔ اس مرتبہ چلّانے

کا انداز خوف کی جھلک لیے ہوئے تھا، ان کے رنگ اُڑ
گئے — اچانک وہ پیچھے ہٹے اور دروازے بند کرنے کی
کوشش کی، لیکن ادھر سے دروازوں پر ہلّہ بول دیا گیا
اور پھر تینوں پارٹیاں اندر داخل ہو گئیں — انسپکٹر جمشید،
محمود، فاروق اور فرزانہ ادھیڑ عمر والے مکان میں داخل
ہوئے اور پھر چھت پر انھیں خان رحمان اور سرنواز ملک
بے ہوش پڑے مل گئے — ان کے کپڑے خون سے تر
تھے — گویا تلاشی کے دوران انھیں اِدھر سے اُدھر کیا جاتا
رہا تھا — اور اس طرح وہ اس مشکل ترین مہم کو سر
کرنے میں آخر کامیاب ہو ہی گئے تھے — فوراً ڈاکٹر کو فون
کیا گیا — خان رحمان اور سرنواز ملک کو لا کر چارپائیوں پر
لٹایا گیا — تینوں گھروں میں کوئی عورت نہیں تھی گویا وہ
کل تین ہی تھے اور مل جُل کر دونوں اغوا ہونے والوں کو
اِدھر اُدھر کرتے رہے تھے —

"اُف خدا! کس قدر زبردست منصوبہ تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"میں بھی حیران تھا — کہ اگر فون اس نمبر سے ہی کیا گیا ہے
تو پھر اندر خان رحمان اور سرنواز ملک کیوں نہیں ہیں، اسی لیے
میں نے سوچا تھا کہ کہیں ان دونوں کو عورتوں والے کمرے
میں تو نہیں رکھا جا رہا — اسی لیے میں نے لیڈی کانسٹیبل کو بلا

لیا تھا، لیکن عورتیں تو ان گھروں میں تھیں ہی نہیں — خوب بیوقوف
بنایا ان لوگوں نے ہمیں — خیر — اب ذرا ان کے اصلی چہرے
دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ان کی طرف بڑھے اور ایک ایک کے
چہرے کا جائزہ لیا، ان میں سے دو نے میک اپ کر رکھا تھا،
اب میک اپ اُتارا گیا تو وہ اُچھل پڑے — ان کے سامنے ڈان کمپنی
کا مینجر اور نواز دین موجود تھے، البتہ جی اے راجہ کے چہرے پر
میک اَپ نہیں تھا —

جلد ہی ڈاکٹر صاحب آ گئے، انھوں نے خان رحمان اور
سرنواز ملک کا معاینہ کیا اور بولے:

"انھیں کسی دوا کے ذریعے بے ہوش کیا گیا ہے — اس
سے پہلے اذیت بھی دی گئی ہے، دونوں کے جسموں پر لوہے
سے داغے جانے کے نشانات ہیں۔"

"حیرت ہے — ان تین آدمیوں نے مل کر اتنا کام کیسے کر لیا،
خان رحمان تو اکیلے ہی ان تینوں کے برابر تھے۔"

"ہو سکتا ہے، انھیں شروع سے ہی بے ہوش کرنے والی دوا
کے زیرِ اثر رکھا گیا ہو۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"اوہ! جی ہاں — ضرور یہی بات ہے — خیر — یہ کب تک
ہوش میں آ جائیں گے۔"

"میں انھیں ایک ایک انجکشن لگا رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آدھ گھنٹے تک ہوش میں آ جائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔" انھوں نے کہا اور پھر جی اے راجہ کی طرف مُڑے:

"ہاں تو راجہ صاحب۔ یہ سب چکر کیا ہے؟"

"افسوس! ہمیں نہیں معلوم۔ کیا چکر ہے۔" جی اے راجہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید زور سے چونکے۔

وہی لڑکی

"جی ہاں! یہ سب کچھ ہم نے ایک نامعلوم آدمی کے اشارے پر کیا ہے۔"

"نامعلوم آدمی کے اشارے پر، تفصیل سے بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں سُنیے۔ ہم تینوں جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ تینوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں، ایک دن ہمیں ایک خط ملا۔ وہ خط اس نامعلوم آدمی کی طرف سے تھا، اس نے لکھا تھا کہ وہ ہم تینوں سے ایک کام لینا چاہتا ہے۔ معاوضہ معقول ملے گا۔ اگر منظور ہو تو اپنے گھروں کے دروازوں پر سفید چاک سے ہاں لکھ دو۔ ہم نے ہاں لکھ دیا، دوسرے دن پھر اس کا خط ملا۔ لکھا تھا، میں نے تم تینوں کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ تم تینوں کے گھر ساتھ ساتھ ہیں اور ان میں سے ایک میں فون بھی لگا ہے۔ ورنہ یہ کام کرنے والے تو اور

بھی بہت سے لوگ ہیں — ان الفاظ کے بعد کام کی تفصیلات تھیں۔
ہمیں ایک فرضی بجلی کمپنی قائم کرنی تھی، پھر اس کے اشتہارات
دینا تھے اور بطور کارکن دو آدمیوں سے جا کر ملنا تھا کہ وہ ہماری
کمپنی کے ذریعے اپنے گھروں کی وائرنگ کرا لیں — سو ہم نے
ایک دفتر کرائے پر لے لیا اور اخبارات میں اشتہارات دینا
شروع کر دیے، اخراجات کے لیے اس نے ہمیں ایک لفافے میں
دس ہزار روپے دے دیے تھے — آخر نواز دین نے دونوں گھروں
کو اندر سے دیکھ لیا — اس کی ہدایات یہی تھیں — کہ ہم دونوں
گھروں کو اندر سے دیکھ لیں، اس کے بعد اس نے ان دونوں
کو اغوا کرنے کا حکم دیا اور یہ ہدایت دی کہ انھیں اغوا کر کے
اپنے درمیانی گھر میں لے جائیں، کیونکہ یہاں فون بھی موجود ہے،
چنانچہ ہم نے پروگرام کے مطابق اغوا کر لیا — اس کے بعد وہ خود
بھی یہاں پہنچ گیا اور ان لوگوں سے بات چیت کی — وہ ان
دونوں کے درمیان طے پا جانے والے کسی سودے کو ختم کرانا
چاہتا ہے — اور یہ سودا ایک زمین کا ہے — پہلے تو اس نے
ان کے گھر والوں کو خود اِدھر اُدھر سے فون کیے، پھر صرف
ایک بار یہاں سے فون کیا اور ان کی آواز بھی گھر والوں کو
سنائی — تاکہ وہ سب بھی پریشان ہو جائیں اور ان کی پریشانی
کو محسوس کرتے ہوئے یہ دونوں اس نامعلوم شخص کا مطالبہ مان

لیں — ان کی آواز سناتے ہی وہ یہاں سے چلا گیا تھا اور ہمیں
ہدایت دے گیا تھا کہ اگر کوئی تلاشی لینے آئے تو تلاشی دے دی
جائے، لیکن عورتوں کو پردہ کرانے کا بہانہ بنا کر ان دونوں کو اِدھر
سے اُدھر کر دینا — چنانچہ ہم نے یہی کیا۔"

"اور اس نامعلوم آدمی کا حلیہ کیا تھا؟" انسپکٹر جمشید بے چین
ہو کر بولے۔

"لمبا قد، پتلا دبلا جسم — چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی، جو یقیناً
مصنوعی ہو گی۔"

"ہوں! اور دانیال کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"دانیال — ہاں! اس نامعلوم آدمی نے یہ ہدایت دی تھی کہ
اگر کوئی پولیس آفیسر ڈان کمپنی کے مالک کے بارے میں پوچھے تو
اسے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ کمپنی کے مالک کا نام مسٹر دانیال
ہے جو دوسرے ملک میں رہتے ہیں اور مہینے میں ایک دو بار
یہاں آتے ہیں، ان دنوں بھی آئے ہوئے ہیں اور ہوٹل ڈی لکس
میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"لیکن مجھے تو یہ بھی بتایا تھا کہ ہوٹل ڈی لکس کا کمرہ نمبر ۹
مسٹر دانیال کے لیے ہی مخصوص ہے۔"

"ہاں! شاید ایسی بات بھی منہ سے نکل گئی ہو گی۔" عرفان
نیازی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے — وہ نا معلوم آدمی دانیال ہی ہے —" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس سلسلے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں، ہمیں کچھ معلوم نہیں، ہمیں تو افسوس یہ ہے کہ منصوبہ ناکام رہا، جو معاوضہ ملنا تھا، وہ بھی نہ مل سکا اور جیل الگ جانا پڑے گا۔" جی اے راجہ نے جلدی جلدی کہا —

"ہاں مجبوری ہے — جیل تو تمہیں جانا ہی ہوگا۔" فاروق بولا —

"اکرام ان لوگوں کو قابو کر لو — ہم ذرا دانیال سے بات کر آئیں۔"

"جی بہتر، لیکن آپ اسے یہیں کیوں نہیں بلا لیتے۔" اکرام نے کہا —

"ہاں! یہ بھی ٹھیک رہے گا — ہمیں خان رحمان اور سرنواز ملک صاحب سے بھی تو بات چیت کرنا ہوگی۔"

دو سادہ لباس والے بھیج دیے گئے — وہ جلد ہی دانیال کو لے کر آگئے:

"مسٹر دانیال! تمہاری کہانی تو جھوٹی ثابت ہو گئی ہے۔"

"وہ کیسے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ کسی نا معلوم آدمی نے تمہیں ہوٹل کا کمرہ

لینے کا حکم دیا تھا اور یہ ہدایات دی تھیں کہ تم خود کو ڈان کمپنی کا مالک ظاہر کرو۔"

"ہاں! یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے، پھر اس میں غلط کیا ہے۔"

"یہ کہ ہوٹل ڈی لکس کا کمرہ ہمیشہ تمہارے نام بک رہتا ہے، چاہے تم یہاں ہو یا نہ ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟"

"یہ — یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟"

"عرفان بیازی نے جو ڈان الیکٹرک کمپنی کے مینیجر کا رول ادا کر رہا تھا۔"

"کیوں مسٹر بیازی — تم سے یہ بات کس نے کہی۔" دانیال نے منہ بنایا —

"اسی نا معلوم آدمی نے — جس نے ہم سے یہ سب کام لیا۔"

"اوہ تو یہ غلطی اس سے ہوئی ہے — ضرور اس نے بھول میں یہ بات کہہ دی — سوچے سمجھے بغیر۔" دانیال بولا۔

"تو ہوٹل ڈی لکس کا کمرہ نمبر ۹ تمہارے نام بک نہیں رہتا؟"

"نہیں — بالکل نہیں — میں تو اس میں پہلی مرتبہ ٹھہرا تھا، وہ بھی اسی نا معلوم آدمی کے کہنے پر۔"

"ہوں — اچھا ٹھہرو۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ہوٹل ڈی لکس کے نمبر ڈائل کیے — اور

اپنا تعارف کرانے کے بعد بولے:

" ہوٹل کا کمرہ نمبر ۹ کس کے نام ہے۔"

" مسٹر دانیال کے نام۔"

" کتنے عرصے کے لیے۔"

" ہمیشہ ان کے نام ہی رہتا ہے۔ سال بھر کا کرایہ وہ ایک ہی بار ادا کر دیتے ہیں۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

○

فون کا ریسیور رکھ کر وہ دانیال کی طرف مڑے اور بولے:

" مسٹر دانیال تمھاری دوسری کہانی بھی غلط ثابت ہو گئی۔"

" ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ وہ کمرہ میرے ہی نام رہتا ہے۔ اس نامعلوم آدمی نے غلطی کی کہ یہ بات بیازی کو بتا دی اور بیازی نے آپ کو۔ ورنہ میں اس معاملے میں کبھی نہ اُلجھایا جا سکتا، لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔"

" ہوں! تو پھر اب صاف صاف بتا دو۔ یہ معاملہ کیا ہے؟"

" افسوس! مجھے خود معلوم نہیں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔"

"تب پھر ہوٹل ڈی لکس کا کمرہ نمبر ۹ تمھارے نام کیوں تک

رہتا ہے۔ تم ہمارے ملک میں کیا کرنے آئے ہو؟"

" میں ایک سیاح ہوں۔ ملکوں ملکوں کی سیر کرتا پھرتا ہوں، مختلف ملکوں کے دارالحکومتوں کے ہوٹلوں میں میرے نام کمرے بک ہیں۔"

" یہ تیسری کہانی ہے۔ اور میرا خیال ہے، تیسری کہانی بھی بالکل غلط ہے۔"

" یہ صرف آپ کا خیال ہے۔ آپ اپنے خیال کو ثابت نہیں کر سکتے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

" اوہو۔ یہ بات ہے۔ خیر۔ ذرا میں پہلے ۔"

اسی وقت خان رحمان کی آواز سنائی دی:

" یہ۔ جمشید۔ یہ تمھاری آواز ہی سنائی دے رہی ہے۔ یا میرے کان بج رہے ہیں۔"

وہ ایک ساتھ ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کی چارپائی کے گرد جمع ہو گئے:

" خدا کا شکر ہے۔ خان رحمان۔ تم ہوش میں تو آئے۔"

" میں۔ میں ہوں کہاں؟"

" ابھی تو وہیں ہو جہاں اغوا کر کے لائے گئے تھے، لیکن اب ہم سب یہاں موجود ہیں۔"

" حامد، سرور، ناز اور بیگم " وہ بولے۔

" اوہ ہاں! انھیں ابھی تک اطلاع نہیں دی جا سکی۔ اور یہ

ہماری بہت بڑی غلطی ہے — محمود فوراً فون کرو۔"

"جی بہتر، لیکن جب تک میں فون کر کے فارغ نہ ہو لوں، آپ انکل سے کچھ نہ پوچھیے گا۔" اس نے بے چین ہو کر کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائے۔

محمود نے جلدی جلدی فون کیا اور پھر ان کے پاس آگیا:

"ہاں! اب شروع کریں۔" اس نے کہا۔

"خان رحمان — جلدی بتاؤ — آخر یہ چکر کیا ہے؟"

اسی وقت سرنواز ملک نے بھی آنکھیں کھول دیں:

"م م — میں کہاں ہوں؟"

انھیں بھی صورتِ حال بتائی گئی اور پھر ان کے گھر والوں کو بھی فون کیا گیا —

"اب مہربانی فرما کر اپنی کہانی سنا دیں۔"

"ہمیں کچھ معلوم نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"جی کیا مطلب — آپ کو کچھ معلوم نہیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فاروق بوکھلا کر بولا۔

"ہاں! میں نے سرنواز ملک صاحب سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا تھا — سودا طے ہو چکا تھا، میں نے بطور پیشگی پچیس لاکھ روپے ادا کر دیے تھے — ایک ماہ بعد بقیہ رقم ادا کرنی تھی اور اس کے بعد رجسٹری ہونی تھی، لیکن کوئی نا معلوم آدمی یہ چاہتا ہے

کہ ہم اس سودے کو منسوخ کر دیں۔"

"لیکن کیوں — آخر وہ ایسا کیوں چاہتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اسی بات پر تو ہم حیران ہیں — کہ وہ کون ہوتا ہے، اس سودے کو منسوخ کرانے والا۔"

"تو اس نے وجہ نہیں بتائی۔"

"نہیں — بالکل نہیں۔"

"اور آپ لوگ کیوں اڑے ہوئے ہیں، کہہ کیوں نہ دیا کہ اچھا — ہم منسوخ کرتے ہیں۔"

"ہم کیسے کہہ دیتے — زبان ہو چکی تھی۔"

"اوہ! مطلب یہ کہ اگر آپ لوگ اس کے سامنے یہ کہہ دیتے کہ اچھا ہم اس سودے کو منسوخ کر دیتے ہیں تو رہا ہونے کے بعد بھی اپنے الفاظ پر قائم رہتے۔"

"ہاں! ویسے وہ اتنا بھولا بھی نہیں — اس نے کہا تھا کہ ہم دونوں کو ایک ایک تحریر دینا ہوگی۔"

"ہوں، گویا وہ یہ چاہتا ہے کہ —"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی — خان رحمان کے گھر سے سب لوگ آگئے تھے — ان کے بچے ان سے لپٹ گئے — سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے — انسپکٹر جمشید نے پھر اپنی بات شروع کی:

"تو وہ یہ چاہتا ہے کہ زمین سرفراز ملک کے پاس ہی رہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اسے اس بات سے کیا فائدہ ہے۔"

"وہ خود خریدنا چاہتا ہوگا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! اس کا بھی امکان ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

"لیکن ابا جان۔ اس سے پہلے ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ وہ ہے کون۔"

"ہاں! میں سوچ رہا ہوں۔ غور کر رہا ہوں۔ ارے۔" اچانک انھوں نے چونک کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے، اس کیس میں بھی کوئی ارے تو ٹپک ہی پڑا۔" فاروق نے خوش ہو کر اور وہ مسکرا دیے۔

"ابا جان۔ آپ نے بتایا نہیں۔ ارے صاحب کے بارے میں۔"

"اس کیس کے دوران ایک لڑکی نے میرا تعاقب کیا تھا۔ وہ اب تک سامنے نہیں آئی۔ آخر وہ کہاں ہے۔"

"وہ اصل مجرم کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ پھر دانیال کی طرف مڑے:

"ہاں مسٹر دانیال۔ اب تم سب کچھ سچ سچ اگل دو۔"

"کیا اگل دوں۔"

"یہ سب چکر کیا ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں۔ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"پھر تم نے خود کو ڈان کمپنی کا مالک کیوں بتایا تھا؟"

"میں نے کہا نا کہ ایک نامعلوم آدمی نے یہ کام مجھ سے لیا تھا۔ اور معقول معاوضہ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔"

"لیکن تم تو ایک سیاح ہو۔ ایک سیاح کو کیا پڑی ہے، کسی کے لیے ایسا کام کرنے کی۔"

"بے شک میں ایک سیاح ہوں۔ اور میں نے کمرے بھی بک کرا رکھے ہیں، لیکن ان کمروں کے کرائے دینے کے لیے مجھے بھی تو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا میں ایک تاجر بھی ہوں۔ ایک ملک کا سامان دوسرے ملک میں اور دوسرے کا تیسرے ملک میں لے جاتا ہوں، یہ کام بہت منافع بخش ہے۔ لگے ہاتھوں کوئی اس قسم کا کام مل جاتا ہے تو اس کے کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"ہوں! نہ جانے کیا بات ہے، مجھے تمھاری باتوں پر یقین کیوں نہیں آ رہا۔" انسپکٹر جمشید الجھن کے عالم میں بولے۔

"تو پھر آپ ہی بتائیے، اس معاملے سے مجھے بھلا کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہی سوچ رہا ہوں۔ اور یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس زمین کی اہمیت نہ معلوم ہو جائے۔" یہ کہہ کر وہ خان رحمان کی طرف مڑے:

"خان رحمان — تم بتاؤ — آخر تم نے اس زمین کو خریدنے کا پروگرام کیوں بنایا؟"

"میں تو ایسے سودے کرتا ہی رہتا ہوں۔" وہ بولے۔

"گویا کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔"

"نہیں — بالکل نہیں۔"

"ابا جان — ہم سب ایک اہم بات کو بھول رہے ہیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"کھردری آواز۔" فرزانہ نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"کھردری آواز — اوہ ہاں — ایم ہارڈنگ کی آواز کھردری ہے، ابھی تک ہماری ملاقات کسی کھردری آواز والے شخص سے نہیں ہوئی۔"

"گویا اصل مجرم ابھی تک ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔"

"اور ہم اس لڑکی کو پھر بھول رہے ہیں۔" فاروق نے گویا یاد دلایا۔

"مسٹر دانیال — وہ لڑکی اب کہاں ہے؟"

"کون سی لڑکی — میں کیا جانوں آپ کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کیونکہ لڑکی کے ذکر پر اس کے چہرے کا رنگ

بدل گیا تھا۔

"تم پھر جھوٹ بول رہے ہو — ضرور تم اس لڑکی کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"نہیں — بالکل۔"

"اچھا خیر — اکرام تم ان سب پر نظر رکھو، ہم ابھی آتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ان تینوں کی طرف مڑے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

"لیکن کہاں چلیں ابا جان۔"

"بس ایک جگہ۔" وہ بولے اور کمرے سے نکل گئے۔ تینوں نے ان کا ساتھ دیا۔

"اس کیس نے تو دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں۔" محمود نے جیپ میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔

"خیر اب فکر کی کوئی بات نہیں — ہم خان رحمان اور سرنواز ملک کو — اوہ ارے ہائیں۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"یا اللہ رحم۔" فرزانہ گھبرا گئی۔

"کیا کوئی خاص بات سوجھ گئی ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک بالکل نیا خیال — سرنواز ملک کا چھوٹا بھائی بیتاب ملک۔"

"بیتاب ملک — کیا مطلب؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"بیتاب ملک کا مطلب تو بیتاب ملک ہی ہوتا ہے۔" فاروق

نے منہ بنایا۔

" فاروق۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ سارا چکر سرنواز ملک کے چھوٹے بھائی کا چلایا ہوا ہے؟"

" ہاں! اس زمین کے سودے سے اگر کسی کو نقصان پہنچنے کا امکان ہے تو صرف اور صرف بیتاب ملک کو۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

کیس کے اس پہلو کی طرف ان کی اب تک توجہ نہیں گئی تھی ۔۔

" خیال زور دار ضرور ہے، لیکن اگر اس زمین کی فروخت سے بیتاب ملک کو کوئی نقصان پہنچنے کا امکان ہے تو وہ اپنے بھائی سے خود کہہ سکتا تھا کہ اس زمین کو فروخت نہ کیا جائے ۔ آخر وہ چھوٹا بھائی ہے اور چھوٹے بھائی کا بھی برابر کا حصّہ ہوتا ہے جائداد میں۔"

" باپ کی طرف سے ملنے والی جائداد میں، لیکن اگر یہ سب کچھ بڑے بھائی نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہو تو کیا اس صورت میں بھی چھوٹا بھائی برابر کا حصّے دار ہوگا۔"

" نہیں ۔ اس صورت میں نہیں ۔ خیر ہم اس رُخ سے بھی بات کریں گے ۔ بلکہ میں اسی وقت فون کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے جی اے راجہ کے نمبر پر فون

کیا، جلد ہی سلسلہ مل گیا:

" ہیلو ۔ کون صاحب؟"

" اکرام بول رہا ہوں سر۔"

" اکرام ۔ فون بیتاب ملک کو دو ۔ یعنی ملک صاحب کے چھوٹے بھائی کو۔"

" او کے سر۔" اس نے کہا اور پھر بیتاب ملک کی آواز سنائی دینے پر انھوں نے کہا:

" جس زمین کا سودا کیا گیا ہے، کیا اس میں آپ کا بھی حصّہ ہے؟"

" کیا مطلب؟" بیتاب ملک نے چیخ کر کہا۔

" آرام سے بات کیجیے ۔ چیخنے اور چلّانے سے کچھ نہیں ہوگا، میں نے صرف یہ پوچھا ہے کہ وہ زمین آپ لوگوں کو اپنے والد کی طرف سے ملی ہے یا آپ کے بڑے بھائی نے اپنی محنت سے حاصل کی ہے؟"

" ہمارے والد ایک بہت غریب آدمی تھے، یہ سب کچھ بھائی جان کی محنت سے حاصل ہوا ہے ۔ اور انھوں نے ہی مجھے تعلیم دلوائی ۔ یہ سب کچھ انھی کا ہے ۔ اس میں میں حصّے دار نہیں ہوں ۔ شاید آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس زمین کا سودا منسوخ کرانے والا شخص میں ہی ہوں۔"

"ہاں! ہمیں یہ خیال آیا تو ہے۔" وہ بولے۔

"یہ بالکل غلط خیال ہے۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔ شکریہ۔"

"بیتاب ملک کا جائداد میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس سودے کو رکوا کر اسے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔" انھوں نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے، کسی طرح فائدہ پہنچتا ہی ہو۔"

"خیر۔ دیکھا جائے گا۔"

جیپ میں خاموشی چھا گئی۔ وہ سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ اچانک فرزانہ بولی:

"لیکن ابّا جان! ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"بہت دیر بعد خیال آیا۔"

"شکر کریں۔ خیال آیا تو۔" وہ مسکرائی۔

"تو پھر اب پوچھ کر کیا کرو گی۔ اب تو ہم پہنچ چکے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا اور نظریں اُٹھا کر دیکھا۔

ان کے سامنے ہوٹل ڈی لکس کی عمارت جگ مگ کر رہی تھی:

"ہوٹل ڈی لکس۔ لیکن آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ مسٹر دانیال کو تو پہلے ہی جی اے راجہ والے مکان میں بلوایا جا چکا ہے۔"

"ہوں۔ بات یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں اور سوچ کیا رہا ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ سوچنے پر مجبور ہوں۔" انھوں نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

وہ جیپ سے اُتر کر ہوٹل میں داخل ہوئے، انسپکٹر جمشید کاؤنٹر پر رُکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے اور کمرہ نمبر ۹ کے دروازے پر جا کر رُک گئے۔ انھوں نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ کمرے کے دروازے تک بھی وہ دبے پاؤں آئے تھے۔ اور پھر انھوں نے اپنا کان دروازے سے لگا دیا۔

اچانک ان کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔ اب محمود نے کان لگایا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ فاروق نے حیرت بھری نظر ان دونوں پر ڈالی اور خود بھی کان دروازے سے لگا دیا۔ اس کا بھی یہی حال ہوا۔

پھر بھلا فرزانہ کس طرح رک سکتی تھی۔ کان دروازے سے لگاتے ہی اس نے ایک کھُردری آواز سُنی۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ایم ہارڈنگ سے بات یا تو محمود نے کی تھی یا

ان کے والد نے۔ لیکن یہ تو انھیں بھی معلوم تھا کہ اس کی آواز کھردری ہے۔۔

"اس کا مطلب ہے، ایم ہارڈنگ اندر موجود ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔" محمود نے سر ہلایا۔

ان کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ دوسرے ہی لمحے ہاتھ باہر نکلا تو اس میں پستول تھا۔ اب انھوں نے محمود کو اشارہ کیا۔۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی انھوں نے تینوں کو دروازے کے سامنے سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دائیں بائیں ہو گئے۔ خود انسپکٹر جمشید بھی دائیں طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ پستول والا ہاتھ سیدھا ہوگیا۔ آخر انھوں نے قدموں کی آواز سنی۔ اور پھر چٹخنی گرائی گئی۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔۔

دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر جمشید اچھل پڑے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر بھی حیرت پھیل گئی، کیونکہ ان کے سامنے کوئی مرد نہیں۔ ایک لڑکی کھڑی تھی۔۔

"یہ۔ یہ کیا۔ ہم نے تو اندر کھردری آواز سنی تھی۔ ایک مردانہ آواز۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"وہ ضرور اس کا ساتھی ہوگا اور کمرے میں ہی ہوگا۔ تم ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن یہ ہے کون؟"

"وہی لڑکی۔ جس نے میرا تعاقب کیا تھا اور مجھے اس بات پر مجبور کیا تھا کہ میں خان رحمان سے فون پر کہہ دوں کہ وہ ان لوگوں کا مطالبہ مان لیں اور مجھے یہ فون پر کہنا پڑا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ خان رحمان نے اس کے باوجود ان کا مطالبہ نہیں مانا۔"

"اوہ!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے نکلا اور پھر ان کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔۔

آواز کا راز

"اندر تمہارے ساتھ اور کون ہے جو ابھی تم سے باتیں کر رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کوئی بھی نہیں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

"ہم نے خود اندر ایک مردانہ آواز سُنی ہے۔ کھُردری سی آواز۔" محمود نے مُنہ بنایا۔

"آپ لوگوں کو ضرور وہم ہو گیا ہے۔" وُہ بولی۔

"ہوں ___ دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لو ___ اور مُنہ دُوسری طرف۔" انسپکٹر جمشید نے اسے حکم دیا، اس نے تعمیل کی۔

"اب قدم آگے بڑھاؤ۔" وُہ بولے۔

وُہ محتاط انداز میں اندر داخل ہوئے، لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کمرہ خالی تھا ___ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر غسل خانے کا دروازہ کھول دیا، اس میں بھی کوئی نہیں تھا اور نہ ہی غسل خانے کا کوئی اور دروازہ تھا ___

"یہ ___ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا، ساتھ ہی اس کی نظر تپائی پر رکھے فون پر پڑی:

"کیا تم فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔"

"ہاں! ضرور کر رہی تھی ___ کیا یہ جُرم ہے۔" اس نے جھلّا کر کہا ___

"نہیں! یہ جُرم نہیں ہے، لیکن مجھے مجرموں کا فون سُننے پر مجبور کرنا اور پھر اپنے دوست کو اس بات پر مجبور کرنے کی ہدایت دینا کہ وُہ تم لوگوں کا حُکم مان لیں ___ یہ ضرور جُرم ہے اور تمہاری گرفتاری کے لیے یہی جُرم بہت کافی ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، کر لیں مجھے گرفتار۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسٹر دانیال کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ!" اس کا رنگ اُڑ گیا۔

"ہاں! اور ہم نے جان لیا ہے کہ یہ سارا کیا دھرا اُسی کا ہے۔"

"م ___ میں کس طرح یقین کر لوں۔"

"ابھی جب ہم تمہیں اس کے سامنے لے جائیں گے تو پھر تمہارے فرشتے بھی یقین کر لیں گے۔" وُہ بولے۔

وُہ اسے لے کر روانہ ہوئے ___ اور جی اے راجہ کے گھر

پہنچے۔ یہاں حالات جُوں کے تُوں تھے۔ لڑکی کو دیکھ کر دانیال کا رنگ اُڑ گیا۔

"تم۔ ڈامیانہ۔ تم بھی پھنس گئیں۔ اُف۔ یہ کیا ہوا۔ تم انھیں کہاں مل گئیں۔"

"میں تمھارے کمرے میں تھی دانیال۔"

"اور میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے کمرے کا رُخ نہ کرنا۔"

"میں پریشان تھی۔ بس کیا کرتی۔"

"اور یہ وہاں کسی کو فون بھی کر رہی تھیں۔" محمود نے لقمہ دیا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں اپنی اور تمھاری واپسی کا انتظام کر رہی تھی۔" ڈامیانہ نے کہا۔

"لیکن افسوس اب تم لوگ واپس نہیں جا سکو گے۔ تمھارا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے۔ اس زمین کو دراصل سرفراز ملک سے تم لوگ خریدنا چاہتے تھے، لیکن ہوا یہ کہ اسے خرید لیا خان رحمان نے۔ خان رحمان کے بارے میں تم لوگوں نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ ان سے زمین خریدنا اتنا آسان نہیں، اس لیے تم لوگوں نے سوچا، اس سودے کو منسوخ کرایا جائے، اس طرح ان کے اغوا کا منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ اس پورے

معاملے کی پشت پر دراصل صرف تم دو تھے۔ باقی لوگ تو کرائے پر حاصل کیے گئے تھے۔ اور انھیں کچھ معلوم نہیں تھا، لیکن ہمارے ہوتے ہوئے ہمارے مُلک میں اس قسم کے منصوبے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اب تم لوگوں کو حوالات اور پھر جیل کی سیر کرنا ہو گی۔"

"ل۔ لیکن۔ ابّا جان۔ یہ کیا بات ہوئی؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"کون سی بات کیا بات ہوئی۔"

"یہ کہ۔ ہم نے تو کمرہ نمبر ۹ سے ایک کھُردری آواز اُبھرتے سُنی تھی، فون پر بھی ہم کھُردری آواز سُنتے رہے ہیں، پھر آخر وہ کھُردری آواز والا کہاں چلا گیا۔"

"ہوں۔ کیوں مسٹر دانیال۔ کھُردری آواز والا کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"اچھا۔ تو پھر ڈامیانہ صاحبہ آپ بتا دیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے چیخ کر کہا اور انھیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ کسی نے بہت کھُردری آواز میں کہے ہوں، ڈامیانہ اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

"تو وہ کھُردری آواز دراصل ڈامیانہ کی ہی ہے اور یہی کمرے میں فون کر رہی تھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ چند لمحے مکمل طور پر خاموشی میں گزر گئے۔ آخر فرزانہ نے چونک کر کہا:

"لیکن ابا جان — اس زمین کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا — کہ اس کی آخر کیا اہمیت ہے۔"

"مسٹر دانیال — کیا تم بتاؤ گے۔"

"وہ زمین کا ایک ٹکڑا ہے اور بس۔"

"پھر اسے خریدنے کے لیے کیوں مرے جا رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے بھنا کر کہا۔

دانیال کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا — آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"خیر — یہ کوئی ایسا پریشان کن مسئلہ نہیں ہے، ہم ماہرین کے ذریعے اس زمین کا معائنہ کرائیں گے۔" یہ کہہ کر وہ خان رحمان کی طرف مڑے:

"خان رحمان — کیا انھوں نے آپ دونوں کو کسی شکنجے میں کسا ہوا تھا؟"

"نہیں، لیکن انھوں نے ہمیں ایک ایک انجکشن ضرور لگایا تھا، اس کی وجہ سے ہمارے جسم بالکل ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے، یہاں تک کہ ہم ہاتھ پیر بھی ہلانے کے قابل نہیں رہ گئے تھے،

اور اس کے بعد انھوں نے ہمارے جسموں پر خنجر کی نوک جگہ جگہ استعمال کی تھی — بار بار یہ خنجر کی نوک میرے جسم میں اتارتے رہے — تاکہ کسی طرح میں ان کا مطالبہ مان لوں — لیکن میں نے ہر بار انکار ہی کیا — اور اس طرح یہ میری کمر کو داغ دار کرتے چلے گئے — انھوں نے سرنواز ملک صاحب پر زیادہ سختی نہیں کی، کیونکہ انھوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں مان جاتا ہوں تو انھیں کوئی اعتراض نہیں رہے گا — لیکن میں کس طرح مان جاتا — جب تک یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ اس زمین میں آخر کیا ہے — اس کی اہمیت کیا ہے — یہ سوال میں نے ان سے بار بار کیا، لیکن اس بارے میں انھوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔"

"مجھے بہت افسوس ہے خان رحمان کہ تمھیں اس تکلیف سے نہ بچا سکا۔" انسپکٹر جمشید دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"اس میں تمھارا کیا قصور۔" وہ غمگین انداز میں مسکرائے۔

اور پھر سب لوگ وہاں سے روانہ ہوئے — دوسرے دن ماہرین کی ایک بڑی ٹیم نے اس زمین کے اس ٹکڑے کا جائزہ لیا اور انھیں یہ حیرت انگیز ترین خبر سننے کو ملی کہ اس زمین کے نیچے تیل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے — وہ دھک سے رہ گئے —

"اس کا مطلب ہے ، دانیال سیاحی کے بھیس میں اس قسم کے کام کرتا رہا ہے ۔"

"ہاں ! یہ لوگ ہمارے ملک کی دولت سے بھی ہمیں محروم کر دینا چاہتے ہیں ۔ افسوس ۔ اور ہاں ۔ اسی لیے ڈامیانہ نے مجھ سے کہا تھا کہ خان رحمان سے ہم سونے کی کان خریدنا چاہتے ہیں ۔ تیل کا یہ ذخیرہ سونے کی کان ہی تو ہے ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"خدا کا شکر ہے ۔ اغوا کا یہ بھیانک چکر ختم ہوا ، میں تو پریشان ہو گیا تھا انکل کے لیے ۔ اور اسی خیال سے ہی لرزتا رہا کہ اگر انکل کو تلاش نہ کر سکے تو کیا ہوگا ، پھر ہم بڑی بڑی مہمات پر کسے ساتھ لے جایا کریں گے ۔ اللہ نے بڑا کرم کیا ۔" فاروق جلدی جلدی بولا ۔

اور وہ مسکرانے لگے ۔۔۔

"کھردری آواز" کا انعامی سوال

سوال : انسپکٹر جمشید نواز دین کو ڈان الیکٹرک کمپنی سے باہر جیپ تک کیوں لائے تھے ؟

○

۲۵۰/- روپے کا نقد انعام موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کے بعد پانچ برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ۔ اپنے جوابات بالکل الگ کاغذ پر لکھیں ، اس پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں ۔ کم از کم کاپی سائز کا غذ استعمال کریں ۔۔۔

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز / ۱۲۶

موت کی مشین

مصنف : اشتیاق احمد

- اس بار کیس نیشنل پارک سے شروع ہوا ۔
- ایک شخص بے تحاشا دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا ، اس کی پنڈلی سے خون بہہ رہا تھا ۔
- ایک کمرہ ۔ جس میں چار انسان مردہ پڑے تھے ۔
- اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے قدرتی موت کی خبر سنائی ، لیکن
- کیا ان کی موت قدرتی طور پر واقع ہوئی تھی ۔
- محمود ، فاروق اور فرزانہ کی ایک عجیب لڑکی سے ملاقات ۔

قیمت : چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز / ۱۲۷

منصوبے کا قاتل

مصنف : اشتیاق احمد

- محمود ، فاروق اور فرزانہ کو ایک انتہائی پُراسرار خط ملا ۔
- اس سے زیادہ حیرت انگیز خط انھیں شاید اپنی زندگی میں نہیں ملا تھا ۔
- وہ اس انداز میں گھر سے نکلے کہ سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی ۔
- اور پھر ایک ہنگامہ آرا کہانی شروع ہو گئی ۔
- ایک پُراسرار مجرم ۔ جس نے انھیں ذہنی طور پر شکستِ فاش دے دی ۔

قیمت : چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۴۵

چار تابوت

مصنف: اشتیاق احمد

- انہیں وزیرِ خارجہ کا فوری بلاوا آیا۔
- ایرپورٹ پر ایک شخص نے انسپکٹر کامران مرزا کو ایک بیگ دیا۔
- بیگ میں کیا تھا۔
- ایک ہولناک کمرہ جس میں چار تابوت رکھے تھے۔
- ان تابوتوں کا راز کیا تھا۔
- انسپکٹر کامران مرزا آخر میں مُجرم کو عجیب انداز میں پکڑتے ہیں۔
- آفتاب، آصف اور فرحت نئے گل کھلاتے نظر آتے ہیں۔

قیمت: چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۲۷

اُدھار کیس

مصنف: اشتیاق احمد

- اس بار انسپکٹر کاشان کو شوکی برادرز کی ضرورت آپڑی تھی۔
- لیکن اُدھر ان کے دفتر میں ایک کیس آدھمکا۔
- ان کے لیے دونوں طرف جانا ضروری تھا۔
- ایسے میں انھوں نے کیا کیا۔ کس طرف گئے۔
- جب ایک خوفناک آدمی موت بن کر ان پر جھپٹا تو اُن پر کیا گزری۔
- مُجرم کا نام آپ آخر تک نہیں جان سکیں گے۔

قیمت: چھے روپے

تہہ خانے کا راز

—— مصنف : اشتیاق احمد ——

- یہ ناول دس سال پہلے شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شائع ہوا تھا ——
- اب اشتیاق پبلی کیشنز سے شائع کیا جا رہا ہے ——
- وہ ناول جس کی اشاعت کے بعد بچوں نے اشتیاق احمد کے نام سے ناول مانگنا شروع کیے ——
- مہم، سسپنس اور مزاح کا طوفان لیے ہوئے ——

بیس مئی کو پڑھیے ——

قیمت : چھ روپے

جواب یہ تھا : محمود، فاروق اور فرزانہ کا کردار پسند آیا۔

●

تمام درست جملوں کی قرعہ اندازی کے بعد مندرجہ ذیل پانچ قارئین کو انعامات روانہ کیے جا رہے ہیں ——

(۱) شاہین اختر نزد اقصیٰ مسجد، ناظم آباد کراچی ——
(۲) شفقت اللہ نزد فائر بریگیڈ نمبر ۲، ستیانہ روڈ، فیصل آباد ——
(۳) ریاض احمد معرفت امتیاز احمد کلرک پوسٹ آفس KP955 پاکستان اسٹیل ملز کراچی 50 ——
(۴) نوشین محمود خان ابدالی روڈ، اسلام پورہ لاہور ۱ ——
(۵) شہزاد حسین مکان نمبر 3، گلی نمبر ۱۰، شمس سٹریٹ، سانده خورد، لاہور

(ادارہ)

6000 روپے کے نقد انعامات

خاص نمبرز

کے اشتہار کی ایک جھلک

- ہر پارٹی کا الگ خاص نمبر ہو گا۔
- ہر خاص نمبر پر دو ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔
- ترسیٹھ قارئین انعامات حاصل کریں گے۔
- انعامات کی تفصیل آیندہ ماہ کے ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں۔
- ہر خاص نمبر کی قیمت دس روپے ہو گی۔
- ہر خاص نمبر قریب قریب دو سو چوبیس صفحات پر مشتمل ہو گا۔
- تینوں خاص نمبروں کی جھلکیاں بھی آیندہ ماہ کے ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

خطوط

- صاف ستھرے لکھیے۔
- مختصر لکھیے۔
- چھوٹے چھوٹے پُرزوں پر نہ لکھیے۔
- نہ ہی بہت لمبے چوڑے کاغذوں پر لکھیے۔
- گندی لکھائی والے خطوط مکمل نہیں پڑھے جاتے۔
- ہر خط قابلِ اشاعت نہیں ہوتا، ہر خط شائع کرانے پر بضد نہ ہوں۔
- قابلِ اشاعت خطوط بھی باری آنے پر ہی شائع ہو سکتے ہیں، یہ نہیں کہ اِدھر آپ نے خط لکھا، اُدھر شائع ہو گیا۔
- لہٰذا صبر، سکون اور اطمینان کا سہارا لیجیے، انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

تمام ناولوں کے دعوے داروں سے

التماس

○ گذشتہ ناولوں میں اشتہار دیا تھا کہ جن قارئین کے پاس میرے لکھے ہوئے تمام ناول موجود ہیں، اطلاع دیں، میں انھیں ایک ایک تحفہ پیش کروں گا — یہ اعلان اب تک شائع شدہ تمام اداروں کے ناولوں سے متعلق تھا، کہ اشتیاق پبلی کیشنز کے —

○ ایسے دعوے دار ناولوں کی فہرست بنا کر ارسال کریں، تاکہ ان کے دعوے کی سچائی کو پرکھا جا سکے۔ پرکھنے کے بعد ہی تحفہ ارسال کیا جا سکتا ہے —

نوٹ: مہربانی فرما کر اپنے پاس موجود میری کہانیوں والے رسائل — اور ایک روپے اور پچاس پیسے والی کہانیوں کے نام بھی لکھ دیں۔

شکریہ!

تین جھوٹے نبی

قیامت کب آئے گی

- ان عنوانات کے تحت پہلے دو کتابوں کا اعلان کیا گیا تھا۔
- نوٹ فرمالیں۔ اب ایک کتاب کی صورت میں دونوں عنوانات زیر بحث آئیں گے —
- ایک ایسی کتاب — کہ آپ نے اپنی زندگی میں نہیں پڑھی ہو گی —
- حیرت انگیز جائزہ — جاسوسی ناولوں کو مات دینے والی حقیقت۔
- آپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی —
- قیامت کب آئے گی — تین جھوٹے نبیوں کے عجیب حالات —

قیمت: چھے روپے
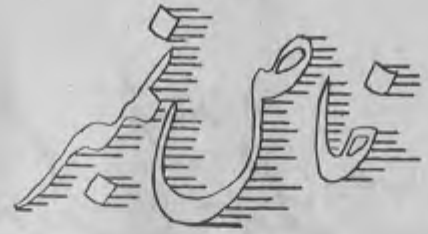
خاص نمبر "جزیرے کا سمندر" کے سوال کا جواب یہ تھا:

گماٹا لڑائی کے میدان میں نہیں تھا۔

اِس جُملے سے پہلے اور بعد میں جن بچّوں نے جُملے لکھے، اُن کا جواب درست قرار نہیں دیا گیا — ایسے قاری یہ خیال کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے، ایسی بات نہیں — بالکل درست جواب یہی تھا — کئی کئی جُملوں والے جوابات تو ہزارہا موصول ہوئے تھے۔

شکریہ!

- اِشتیاق پبلی کیشنز کی تمام کُتب دفتر سے مل سکتی ہیں —
- جو کتابیں آپ کو اپنے شہر سے اور اپنے بُک سٹالوں سے نہ مل سکیں، آپ بلا تکلّف ہم سے منگا سکتے ہیں —
- طریقہ کار بالکل آسان ہے — جو کتابیں منگانا ہوں، ان کی قیمت جمع کر لیں، پچاس پیسے فی کتاب کے حساب سے اس کُل قیمت میں سے کم کر لیں، یہ آپ کو رعایت ہے — اب جو رقم بنتی ہے، وہ اشتیاق پبلی کیشنز کے نام منی آرڈر کر دیں اور منی آرڈر فارم کے نچلے حصّے پر ان ناولوں کے نام ضرور لکھ دیں جو منگانا چاہتے ہیں —
- ناول آپ کو رجسٹرڈ پیکٹ کی صورت میں مل جائیں گے —
- کم از کم تین کتابیں منگوا سکتے ہیں —
- فہرست کُتب بھی ایک خط لکھ کر منگوا سکتے ہیں —

(ادارہ)